تین
ننھے
سراغ رساں
اور
سبز بھوت

تین ننھے سُراغ رساں

اور

سبز بھُوت

سلیم احمد صدیقی

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

پہلی بار ۱۹۷۸

تعداد ۴۰۰۰

قیمت ۵روپے

بھُوت چیختا ہے!

”ہی ای ای ای ای ای آ آ آ آ ہ!“

چیخ کی یہ آواز اتنی بھیانک تھی کہ عاقِب اور نسیم دونوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

یہ دونوں اس وقت ایک پرانے مکان کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔ مکان خاصا بڑا تھا لیکن اب سال ہا سال سے خالی پڑا ہوا تھا اور اِدھر کوئی آتا جاتا نہ تھا۔ صرف، ایک دو دن ہوئے، چند مزدور اسے ڈھانے کے لیے

یہاں آئے تھے اور اُنہوں نے ایک دیوار ڈھانے کا کام شروع کیا تھا۔

جس وقت بھیانک چیخ کی آواز سنائی دی، دونوں ننّھے سُراغ رساں اس مکان کا جائزہ لینے کے لیے یہاں آئے ہوئے تھے اور ابھی اندر جانے کے بارے میں سوچ ہی سے تھے۔ عاقِب نے اپنے کندھے پر ایک ٹیپ ریکارڈر لٹکایا ہوا تھا۔ چونکہ ان کا مقصد اس وقت مکان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھا اس لیے انہوں نے ٹیپ ریکارڈر چلا رکھا تھا تاکہ آس پاس ہونے والے سارے واقعات اور حالات ریکارڈ ہو جائیں۔ عنبر کہا کرتا تھا کہ بعض اوقات کچھ پیچیدہ مسئلے ٹیپ ریکارڈر پر کیسٹ کو بار بار سُننے سے ہی حل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اس کی ہدایت تھی کہ ہر مہم پر جاتے وقت کیسٹ ٹیپ ریکارڈر ساتھ لے جایا جائے۔ اسی لیے اس وقت ٹیپ ریکارڈر چل رہا تھا، اور یہ بھیانک چیخ جو ابھی عاقِب اور نسیم نے سُنی تھی، اس میں ریکارڈ ہو چکی تھی۔

''تم نے یہ خوف ناک چیخ سنی، عاقِب؟'' نسیم نے عاقِب کے نزدیک ہوتے

ہوئے کہا۔ ”میں تو کہتا ہوں کہ یہاں سے ہمیں بھاگ چلنا چاہیے۔ لگتا ہے یہ تو کوئی بھُوتوں ووتوں کا چکّر ہے!“

”ڈ۔۔۔ ڈ۔۔۔ ڈرو نہیں۔“ عاقِب نے اپنا ڈر چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر عنبر یہاں ہوتا تو کیا وہ ہمیں یہاں سے بھاگ جانے کو کہتا؟“

”نہیں، تم تو جانتے ہی ہو کہ وہ کیا کہتا؟“

”بس“ عاقِب نے نسیم کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے۔ کہا۔ ”میں بھی یہی کہتا ہوں کہ ہمیں کھوج لگانا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ بھُوت وغیرہ کو تو ہم مانتے نہیں۔ بھول گئے، ضیغم صاحب نے اپنے محل میں کیسے کیسے بھُوت بنا رکھے تھے؟“

”ہاں، اور ہم لوگوں نے ان کا پول کھول کر رکھ دیا تھا۔“

”میں تو کہتا ہوں کہ ہمیں اندر چل کر دیکھنا۔۔۔۔“

عاقِب کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔

”ہاعاآآآآآہی ای ای او او او!“

یہ چیخ پہلی چیخ سے اتنی زیادہ بھیانک تھی کہ دونوں سُراغ رساں اپنے قدم نہ روک سکے اور سڑک کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔

وہ دونوں بگٹٹ بھاگے جا رہے تھے کہ اچانک اُن کی کسی سے ٹکّر ہو گئی اور وہ دھم سے نیچے گر پڑے۔ چند لمحے نہ گزرے ہوں گے کہ کسی نے انہیں ہاتھ سے پکڑ کے اُٹھایا اور بولا۔ ”دیکھ کر نہیں چلتے؟“

یہ فقرہ اگرچہ بظاہر غصّے سے کہا گیا تھا پھر بھی اُسے سن کر نسیم اور عاقِب کی جان میں جان آ گئی۔ وہ اب تک یہی سمجھ رہے تھے کہ ان کی ٹکّر کسی بھُوت سے ہو گئی ہے۔

”معاف کیجیے، جناب۔“ عاقِب نے کپڑے جھاڑتے ہوئے جواب دیا۔ ”ہم ڈر گئے تھے۔ وہ بھُوت جیسی آواز۔۔۔۔“ نسیم بولا۔

"اچھا اچھا، تو تم لوگ اس ویران مکان کی طرف سے آئے ہو۔" اس آدمی نے کہا۔ اس کی آواز کچھ بھاری تھی۔

"جی ہاں۔" عاقِب نے کہا۔ "کیا آپ لوگوں نے بھی وہ چیخ سُنی تھی؟"

"ہاں۔ ہم لوگوں نے بھی وہ چیخ سُنی تھی۔" آدمی نے کہا۔ "میں اور یہ لوگ اس مکان کی طرف جانے کا سوچ رہے تھے۔"

اس آدمی سے ذرا فاصلے پر کچھ اور لوگ آرہے تھے۔ ایک دو منٹ میں وہ اس کے پاس آ گئے۔ وہ کُل پانچ یا چھ آدمی تھے اور سب کے سب ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے نسیم اور عاقِب کی طرف بالکل توجّہ نہ کی اور مکان کی طرف سے آنے والی چیخ کے بارے میں اپنے اپنے خیال ظاہر کرنے لگے۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں مکان کے اندر جا کر دیکھنا چاہیے۔" بھاری آواز والے آدمی نے باقی لوگوں کو مشورہ دیا۔ نسیم نے اس آدمی کو غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔ "ہو سکتا ہے کہ اندر

کوئی شخص زخمی حالت میں پڑا ہو اور درد سے کراہ رہا ہو۔" اس نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ کسی زخمی آدمی کی آواز نہیں۔" ایک اور شخص نے کہا۔ "میں تو کہتا ہوں کہ ہمیں پولیس کو اِطّلاع دے دینی چاہیے وہ خود نبٹ لے گی۔" ایک اور آدمی نے خیال ظاہر کیا۔ اس نے دھاری دار قمیص پہنی ہوئی تھی۔

"ہو سکتا ہے مُجرم اُس ویران مکان میں کسی آدمی کا خون کر رہا ہو۔" بھاری آواز والے آدمی نے کہا۔

"اس صُورت میں تو پولیس کے آنے تک کافی نقصان ہو سکتا ہے۔"

"میں تو کہتا ہوں کہ ہمیں چل کر دیکھنا چاہیے۔" ایک موٹے شیشوں والی عینک پہنے ہوئے آدمی نے کہا۔

"بھئی، اگر آپ لوگ جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں۔" دھاری دار قمیض والے آدمی نے کہا۔ "میں تو بہر حال پولیس کو اِطّلاع دینے جا رہا ہوں۔"

”اوہو بھئی!“ بھاری آواز والے آدمی نے کہا۔ ”یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ آواز کسی اُلّو یا بلّی کے چیخنے کی ہو۔ اس صورت میں پولیس کو لانا مذاق اُڑوانے کے برابر ہو گا۔“

یہ بات سُن کر دھاری دار قمیص والا آدمی رُک گیا اور کہنے لگا۔ ”ہوں! اگر ایسی بات ہوئی تو۔۔۔“

اچانک مجمع میں سے ایک لمبا تڑنگا آدمی باہر نکلا اور سب سے کہنے لگا۔ ”آیئے جناب، ہم سب لوگ اندر جا کے دیکھتے ہیں کہ کیا چکّر ہے۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو پولیس کو بعد میں بھی بُلایا جا سکتا ہے۔ ہم پانچ چھ آدمی ہیں اور تقریباً ہر ایک کے پاس ٹارچ ہے۔ آیئے، مکان کے اندر چل کر دیکھے لیتے ہیں کہ یہ چیخ کس کی تھی؟“

لمبا آدمی یہ کہہ کر مکان کی طرف جانے والے راستے پر چل پڑا اور باقی لوگ بھی اپنی اپنی ٹارچ لے کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں سے کھسک جانا چاہیے۔“ نسیم نے عاقِب

کے کہنی مارتے ہوئے کہا۔

"پاگل نہ بنو۔" عاقِب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نہیں جانتے کہ عنبر اس موقع پر کیا کرتا؟ وہ یقیناً ان لوگوں کے ساتھ چلتا اور بھیانک چیخ کا راز پانے کی کوشش کرتا۔ اور تم یہ کیوں بھولے جا رہے ہو کہ ہم لوگ سُراغ رساں ہیں، اور ہمارا کام ہی یہ ہے کہ ہم ہر چیز کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کریں۔"

نسیم کے لیے اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ سر جھکائے عاقِب کے ساتھ ساتھ چل پڑے۔

جلد ہی وہ ویران مکان کے صدر دروازے پر پہنچ گئے۔ لوگوں نے اندر جانے کے لیے اپنی اپنی ٹارچ جلالی تا کہ اگر اندر کوئی مجرم یا زخمی شخص ہو تو نظر آ جائے۔ دروازہ ایک عالی شان ڈیوڑھی میں کھلتا تھا اور ڈیوڑھی کے آخری سرے پر ایک خوب صورت زینہ بنا ہوا تھا جو دوسری منزل کو جاتا تھا۔ ڈیوڑھی میں پہنچ کر مجمع کی دو رائے ہو گئیں۔ کچھ لوگ پہلے نچلی منزل

دیکھنا چاہتے تھے اور کچھ پہلے اوپر جانا چاہتے تھے۔

ایک آدمی نے سیڑھیوں پر ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ ”یہی وہ سیڑھیاں ہوں گی جہاں سے آج پچاس برس پہلے زمرّد خان گر کر مر گیا تھا۔ اس کی موت کے بعد ہی سے یہ مکان خالی پڑا ہے۔“

”میں نے سنا ہے کہ اگر کوئی مکان بہت عرصے تک خالی پڑا رہے تو اس پر جن بھُوت قبضہ کر لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس مکان میں بھی بھُوتوں نے بسیرا کر رکھا ہو!“ ایک آدمی نے ڈرتے ہوئے کہا۔

”ابھی پتا چل جاتا ہے۔“ لمبے آدمی نے کہا۔ ”آیئے، پہلے ہم نچلی منزل میں دیکھ لیں۔“

”زینے کے ساتھ ہی ایک دروازہ تھا جس میں سے گزر کر وہ ایک بڑے کمرے میں داخل ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی چند اور بڑے کمرے بھی تھے۔ یہ کمرے بھی ویران پڑے تھے۔ مُدّت سے یہاں کوئی نہ رہتا تھا۔ ہر جگہ گرد ہی گرد اٹی پڑی تھی۔ کہیں کہیں پر دیواروں پر مکڑیوں نے

جالے تن رکھےّ تھے۔ ان میں سے ایک کمرا، جو مکان کی پچھلی دیوار کے ساتھ تھا، ڈھایا جا رہا تھا۔ اس کی پچھلی دیوار ایک دو دن سے گرائی جا رہی تھی۔

اِدھر اُدھر انہیں کچھ نہ ملا تو دھاری دار قمیص والے نے کہا۔ ”یہاں تو کچھ بھی نہیں۔ وہ آوازیں کسی جانور یا پرندے کی ہوں گی؟“

”شی!“ ایک آدمی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”مجھے ایک سرگوشی کی آواز آئی ہے۔

چھوٹے سے مجمع میں سنسنی پھیل گئی۔ نسیم نے عاقِب کا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنی طرف کھینچنے لگا۔ شاید اُسے ڈر لگ رہا تھا۔

”ہمیں ٹارچیں بجھا دینی چاہئیں اور خاموش ہو جانا چاہیے تاکہ پتا چل سکے۔“ بھاری آواز والے آدمی نے کہا۔

سب نے ٹارچیں بجھا دیں اور اندھیرے میں سرگوشی سُننے کی کوشش

کرنے لگے۔ لیکن یہ سرگوشی تو باہر جھاڑیوں اور پودوں میں سے ہوا کے گزرنے کی آواز تھی۔ تاہم سب لوگ اس پر غور کر رہے تھے اور اندھیرے گھُپ میں کھڑے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اچانک ایک آدمی نے کہا۔ "وہ دیکھو! اس دروازے کے پاس!"

سب نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اندھیرے کے باعث کسی کو یہ پتا نہ چل سکا تھا کہ "اس دروازے" کا اشارہ کس طرف تھا۔

جلد ہی وہ سب کو نظر آ گیا۔

وہ دروازے کے قریب ہی کھڑا تھا اور یوں ہل رہا جیسے ہوا میں پودے ہلتے ہیں۔ اس کا رنگ سبز تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس کا جسم روشنی سے بنا ہوا ہے۔ ہلکی ہلکی ملگجی روشنی سے۔ اس نے ہوا میں تیرتے ہوئے دروازے کا رُخ کیا اور ایک دم غائب ہو گیا۔

”بھُوت! بھُوت!!“ ایک باریک سی آواز والا شخص چلّایا۔

”زمرّد خان کا بھُوت!“ ایک اور آدمی نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور اپنی ٹارچ روشن کی۔ باقی لوگوں نے بھی ٹارچیں جلا لیں اور دروازے کی طرف بڑھے۔ مگر دروازو تو بند تھا۔

”میرا خیال ہے کہ ہمیں ٹارچیں بجھا دینی چاہیں۔ شاید وہ بھُوت اندھیرے میں پھر نظر آ جائے۔“ ایک آدمی نے خیال ظاہر کیا۔

اس کا خیال ٹھیک ہی ثابت ہوا۔ جلد ہی سبز بھُوت ڈیوڑھی والے دروازے کی طرف نمودار ہوا اور دروازے میں سے گزر کر ڈیوڑھی میں آیا۔ وہاں سے ڈیوڑھی کے زینے پر سے تیرتا ہوا اُوپر چلا گیا۔

”آؤ، اس کا پیچھا کریں۔“ موٹی آواز والے آدمی نے کہا۔ ”میرا تو خیال ہے کہ کوئی آدمی ہمارے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔“

یکایک عاقِب نے کہا۔ ”جناب، مجھے ایک خیال سوجھا ہے۔ اگر یہ کیسی

آدمی کی حرکت ہے تو زینے پر پڑی ہوئی گرد پر اس کے پاؤں کے نشانات ضرور موجود ہوں گے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" کسی نے ٹارچ جلاتے ہوئے کہا۔

سب لوگوں نے ٹارچیں جلالیں۔ ایک آدمی کی ٹارچ کی روشنی اس آدمی پر پڑی جس نے گود میں کتّا اُٹھار کھا تھا۔ کتّا ہلکے سے غرّایا۔ وہ لوگ زینے کے پاس احتیاط سے پہنچے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں کوئی نشان موجود نہ تھا۔

ٹارچیں پھر بجھادی گئیں کیوں کہ کسی شخص نے کہا تھا کہ اس طرح شاید پھر بھُوت نظر آجائے!

اور بھُوت ایک بار پھر نظر آگیا!!

اب کے وہ ہال کی چھت میں سے دیوار کے ساتھ ساتھ لہراتا نیچے آیا اور مکان کے بڑے دروازے کی طرف بڑھا۔

”پکڑو! جانے نہ پائے!“ موٹی آواز والا آدمی چیخا۔

فوراً سب لوگوں نے ٹارچیں جلائیں اور دوڑے۔ مگر سبز بھُوت دروازے کے پاس پہنچ کر غائب ہو چکا تھا۔

سب لوگ اب مکان سے باہر نکل آئے تھے اور اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے لیکن وہاں کچھ بھی تو نہ تھا کہ انہیں نظر آتا۔ جھاڑیاں، پودے، درخت، سڑک، سب کچھ خاموش تھا۔ کہیں کوئی آہٹ یا کوئی شکل نہ تھی۔ ہر جگہ مکمّل خاموشی تھی۔ مکمّل سکون۔

اب کے وہ آدمی بولا جس کی گود میں کتّا تھا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں چلنا چاہیے۔ بھُوت تو کھُلے علاقے میں آ گیا ہے۔ اب ہم اسے شاید نہ دیکھ سکیں۔“

”میں تو پولیس کو اِطّلاع دینے جا رہا ہوں۔“ دھاری دار قمیص والے آدمی نے کہا۔

آہستہ آہستہ سب لوگ رُخصت ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں پولیس آئی اور اس نے مکان کا چپّا چپّا چھان مارا۔ اِدھر اُدھر کا سارا علاقہ بھی دیکھ لیا گیا۔ لیکن نہ تو کوئی زخمی جانور یا پرندہ کہیں نظر آیا اور نہ کوئی زخمی یا مُردہ انسان!

یہاں تک تو خیریت تھی۔ تھانے دار نے ہنس کر پولیس والوں سے کہا۔ ”یہ تو لوگوں کا وہم معلوم ہوتا ہے۔ چھوڑو اب اس قصّے کو۔“

مگر اس رات تھانے دار وہ قصّہ چھوڑنے کی جرأت نہ کر سکا۔ زمرّد خان کا سر بھُوت اس رات اور کئی لوگوں کو بھی نظر آیا۔

ایک سرکاری دفتر کے چوکیدار نے اس بھُوت کو دیکھا اور اپنے ساتھی کے ہاتھ یہ اِطّلاع تھانے بھجوائی۔ رات کے ایک بجے کے قریب وہ بھُوت سینما سے لوٹنے والے تماشائیوں کے ایک گروہ کو نظر آیا جس میں بھگدڑ مچ گئی۔

سب سے آخر میں وہ بھُوت دو سپاہیوں کو نظر آیا جو اس قبرستان کے پاس

سے گُزر رہے تھے جہاں زمرّد خان دفن تھا۔ اُن سپاہیوں کا کہنا تھا کہ بھُوت قبرستان کی دیوار کے ساتھ تیرتا ہوا زمین پر گرا اور رینگ رینگ کر زمرّد خان کی قبر کی طرف بڑھنے لگا۔ جب سپاہیوں نے اُسے پکارا تو وہ ایک جھٹکے سے قبر کے سرہانے پہنچا اور غائب ہو گیا۔

تھانے دار جیپ میں بیٹھ کر وہاں پہنچا تو اسے سڑک سے ہی نظر آ گیا۔ زمرّد خان کا بھُوت قبر کے پاس ہی لیٹا ہوا تھا۔

تھانے دار کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اس نے آنکھیں مل کر دیکھا تو بھُوت قبر کے عین اُوپر تھا، لیکن اگلے ہی لمحے وہ غائب ہو گیا۔

تھانے دار حیرت سے منہ پھاڑے کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ وہ سب لوگوں کو جھُٹلا سکتا تھا مگر اپنی آنکھوں کو نہیں۔

ہیروں کی دریافت

”ہی ای ای ای ای ای آ آ آ آ آ آ آہ!!!“

بھیانک چیخ فضا میں پھر گونجی۔ لیکن اس بار نہ تو نسیم ڈرا اور نہ عاقِب۔ وہ اس لیے کہ اب یہ آواز ان کے ٹیپ ریکارڈر سے آ رہی تھی۔ اس وقت تینوں سُراغ رساں اپنے ہیڈ کوارٹر میں بیٹھے رات کے واقعے پر غور کر رہے تھے

سُراغ رساں نمبر ایک عنبر پوری توجّہ سے کیسٹ میں ریکارڈ شدہ آوازیں

سُن رہا تھا۔ خوف ناک چیخ کے بعد لوگوں کی آوازیں بھی اس نے سُنیں۔ اس کے بعد اس نے ٹیپ واپس پھرائی اور چیخ کی آواز دو تین بار سُنی۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ بار بار اُنگلیوں سے نُوچ رہا تھا اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ اس کا ذہن اس آواز کے معمّے کو سُلجھانے میں پوری طرح مصروف ہے۔

"مجھے تو یہ آواز کیسی انسان کی معلوم دیتی ہے۔" عنبر نے اُنگلیاں ہونٹ پر سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "ایسے لگتا ہے جیسے کوئی آدمی اُوپر سے نیچے گِر رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دردناک آواز میں چلّا رہا ہو، اور آخر میں جب اس میں چیخنے کی ہمّت نہ رہی ہو تو وہ رُک گیا ہو۔"

"تم نے بالکل صحیح کہا۔" عاقِب خوشی سے چلّا اُٹھا۔ "پچاس سال پہلے بالکل یہی واقعہ ہوا تھا؟"

"کیا؟" عنبر نے حیرت سے پوچھا۔ "مجھے ذرا تفصیل سے بتاؤ۔"

"آج سے پچاس سال پہلے ایک دن بوڑھا زمرّد خان اپنے مکان کی دوسری منزل سے نیچے آ رہا تھا کہ سیڑھیوں پر سے پھسلا اور نیچے آ گرا۔ اُس کی

گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا۔"

"تو گویا اس نے گِرتے وقت جو چیخ ماری تھی، وہ ہم نے سُنی ہے؟" عنبر نے سوالیہ انداز سے پوچھا۔

"ہاں، مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ چیخ پچاس سال بعد کل اچانک کیوں سُنی گئی؟" نسیم نے کہا۔

"ہاں، یہی بات حیرت ناک ہے!" عنبر بولا۔ "اچھّا نسیم، رات کا قصّہ پوری تفصیل سے ایک مرتبہ پھر سناؤ۔"

نسیم نے پوری بات دوبارہ دُہرا دی۔ جب وہ قدموں کے نشان والی بات پر آیا تو عنبر نے عاقِب کو داد دی اور کہا۔ "شاباش! اب تم واقعی سُراغ رسانوں کی طرح سوچنے لگے ہو۔"

"میں نے کمرے میں موجود سب لوگوں سے کہا کہ وہ غور سے قدموں کے نشانات دیکھیں۔ مگر وہاں ایک بھی تو نشان نہ تھا۔" عاقِب نے عنبر کی

طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا، یہ بتاؤ کہ رات سبز بھُوت تُم لوگوں کے علاوہ اور کتنے لوگوں نے دیکھا؟" عنبر نے ہونٹ نوچتے ہوئے پوچھا۔

"چھ آدمیوں نے۔" نسیم بولا۔

"سات آدمیوں نے۔" عاقِب نے جلدی سے کہا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر نسیم نے زور دے کر کہا۔ "مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے کہ آدمی چھ تھے۔"

"حیرت ہے!" عاقِب بولا۔ "میں نے تین دفعہ چُپکے چُپکے لوگوں کو گِنا تھا۔ ایک دفعہ میزان چھ تھی اور دو بار سات مگر میں نے تو ایک بار گنا تھا اور بڑے غور سے گِنا تھا تب تو وہ لوگ چھ تھے۔ ایک تو لمبا سا آدمی تھا ایک بھاری آواز اور بڑی بڑی مونچھوں والا تھا، ایک اپنی گود میں کتّا لیے ہوئے تھا، ایک دھاری دار قمیص پہنے تھا اور دو اور تھے جِن کا حلیہ میں نے ٹھیک سے نہ دیکھا تھا کیوں کہ وہ پیچھے تھے۔"

”بہر حال۔“ عنبر نے کہا۔ ”اب اس بحث کو چھوڑو اور مجھے وہ سب باتیں بتاؤ جو تم لوگ اس مکان کے بارے میں جانتے ہو۔“

”میں بتاتا ہوں۔ مجھے اس مکان کے بارے میں کافی کچھ معلوم ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”وہ مکان آج سے ستّر اسّی سال پہلے زمرّد خان نے بنوایا تھا۔ زمرّد خان کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ وہ مکرانی تھا اور مکران سے آکر یہاں آباد ہو گیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ وہاں سے کسی سردار کی بیٹی بیاہ لایا تھا لیکن لڑکی کے ماں باپ اس شادی سے خوش نہ تھے۔

وہ عموماً سبز رنگ کا مکرانی لباس پہنا کرتا تھا۔ لمبا سا چغّہ نما کُرتا۔ وہ اس مکان میں اپنی بیوی کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ ان کے ہاں کوئی نوکر نہ تھا۔ حالانکہ وہ بہت امیر لوگ تھے۔ یہ کچھ عجیب سی بات ہے۔ ایک دن زمرّد خان سیڑھیوں سے نیچے گِر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ وہ اسی وقت مر گیا۔ یہ بات اس آدمی نے بتائی جو ان کے ہاں دودھ دینے جایا کرتا تھا۔ پولیس نے اس کے کفن دفن کا انتظام کیا۔“

”اس کی بیوی کا کیا ہوا؟“ عنبر نے پوچھا۔

”اس کے مرنے کے بعد اس کی مکرانی بیوی کا کچھ پتا نہ چل سکا۔ پولیس نے اسے کافی تلاش کیا مگر بے کار۔ آخر لوگوں نے فرض کر لیا کہ وہ مال اسباب لے کر اسی رات واپس مکران چلی گئی ہو گی۔

بہر حال، یہ راز ایک راز ہی رہا۔ کچھ دنوں بعد اخباروں میں پولیس نے اشتہار چھپوایا جسے پڑھ کر ایک بیوہ خاتون کا مکران سے خط آیا کہ وہ رشتے میں زمرّد خان کی سالی ہے اور زمرّد خان کی ساری جائیداد کی وہی واحد مالک ہے۔ پولیس نے اور کسی مالک کا کافی دیر تک انتظار کیا اور جب کوئی اور شخص سامنے نہ آیا تو زمرّد خان کی تمام جائیداد اس خاتون کے نام کروا دی گئی۔“

”اب اس مکان کو ڈھایا کیوں جا رہا ہے؟“ عنبر نے پوچھا۔

”اس بیوہ خاتون کی ایک بیٹی ہے جو اس کے بعد اس تمام جائیداد کی مالک بنی۔ بیوہ نے زمرّد خان کے چھوڑے ہوئے پیسے سے بلوچستان میں ایک

انگوروں کا باغ لگوا لیا۔ البتّہ اس مکان کو نہ تو بیچا اور نہ کرائے پر چڑھایا۔ یوں یہ مکان پچاس سال بے آباد پڑا رہا۔ بیوہ کے مرنے کے بعد اس کی بیٹی نے اس مکان کو کسی ٹھیکیدار کے ہاتھ بیچ دیا۔ اب وہ اسے ڈھا کر ایک عالی شان کوٹھی بنانا چاہتا ہے۔"

"اور جب ہم نے اتنے پرانے مکان کے گرائے جانے کا سُنا تو ہم اپنی کھوج کی عادت سے مجبور ہو کر اسے دیکھنے چلے گئے۔" نسیم نے کہا۔

"تم لوگ داد کے قابل ہو۔" عنبر نے کہا۔ "اب تم صحیح سُراغ رساں بنتے جا رہے ہو۔"

"مگر ہم یہ مسئلہ تو ابھی تک حل نہیں کر سکے کہ آخر یہ بھُوت صاحب یا جو بھی کوئی ہیں، انہیں رات اس طرح بے ہنگم چیخیں مارنے کی کیا ضرورت تھی؟" نسیم نے کہا۔

"تم ٹھیک سوچ رہے ہو۔" عنبر نے کہا۔ "ظاہر ہے کہ ان حرکتوں سے کسی نہ کسی کو فائدہ ہو سکتا ہے۔ وہی یہ حرکتیں کر رہا ہے یا کروا رہا ہے۔

ورنہ بھُوت، جیسا ہم جانتے ہیں، کوئی شے نہیں ہوتی۔"

"وہ تو ہم جانتے ہیں کیوں کہ ضیغم کے نیلے بھُوت ہم ملاقات کر چکے ہیں۔" عاقِب نے کہا۔

تینوں سُراغ رساں یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ عنبر کی خالہ جان نے آ کر انہیں بتایا کہ باہر تھانیدار انہیں بلا رہا ہے۔

تھانیدار رات کے واقعے کے بارے میں ان سے پوچھنے آیا تھا۔ اس نے انہیں سرکاری کار میں بٹھایا اور زمرّد خان کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔

"میں جانتا ہوں کہ بھُوت نہیں ہوتے،" تھانیدار نے کہا۔ "لیکن اس بات کا کیا علاج کہ رات سب سے آخر میں جس آدمی نے زمرّد خان کے سبز لباس والے بھُوت کو دیکھا، وہ میں تھا۔"

"آپ؟" تینوں لڑکے حیران رہ گئے۔

"ہاں۔ میں نے اسے زمرّد خان کی قبر پر غائب ہوتے دیکھا تھا۔ بہرحال،

تم مجھے رات کا قصّہ بتاؤ۔ تم میں سے جن دو لڑکوں نے مکان میں اسے دیکھا، انہیں کیا نظر آیا تھا؟" عاقِب اور نسیم نے اس رات کا پورا فیصلہ سنا دیا۔

"تھانیدار صاحب، ایک بات بتادیں تو مہربانی ہو گی۔" عنبر نے کہا۔

"کہو، کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"میں یہ پوچھنا ہوں کہ عاقِب اور نسیم کے علاوہ مکان میں اور کتنے آدمیوں نے بھُوت کو دیکھا تھا؟"

"میں ٹھیک سے نہیں کہہ سکتا۔" تھانیدار نے بھوئیں سکیڑتے ہوئے کہا۔ "تھانے میں چار آدمی اِطّلاع دینے آئے تھے اور میں نے سب سے الگ الگ پوچھا تھا۔ تین آدمیوں کا بیان تھا کہ دو لڑکے اور چھ آدمی تھے جب کہ چوتھے آدمی کا کہنا تھا کہ دو لڑکے اور سات آدمی وہاں موجود تھے جنہوں نے سبز بھُوت کو دیکھا؟"

اتنے میں کار ایک جھٹکے کے ساتھ زمرّد خان کے مکان کے باہر رُک گئی۔ تھانیدار اور تینوں لڑکے باہر نکل آئے۔ مکان پر دو پولیس کانسٹیبل پہرا دے رہے تھے اور ایک آدمی بڑی بے صبری سے ان لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔

"السّلام علیکم۔" اس آدمی نے تھانیدار کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "میرا نام قادر بخش ہے اور میں وکیل ہوں۔"

"فرمایئے؟" تھانیدار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں زمرّد خان کی وارث محترمہ پروین کا وکیل ہوں اور اُن کا دُور کا رشتے دار بھی ہوں۔ میں نے اخبار میں رات کے واقعے کے بارے میں پڑھا تھا اور مکان کے اندر جانا چاہتا تھا لیکن آپ کے سپاہی مجھے اندر ہی نہیں جانے دیتے۔" قادر بخش نے کہا۔

"انہیں تو میرا حکم یہی تھا کہ کسی کے اندر نہ جانے دینا۔ بہر حال، اب آپ ہمارے ساتھ اندر چلیے۔ رات کے واقعے کے بعد میں خود اس فکر میں تھا

کہ محترمہ پروین صاحبہ کو یہاں بُلایا جائے تاکہ اس پیچیدہ کیس کی گتھی سلجھ سکے۔"

"پیچیدہ کیس؟" قادر بخش ہنسا۔ "تھانیدار صاحب آپ کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ بھُوت کو سچ مُچ مانتے ہیں!"

"نہیں۔ میں بھُوت پریت کا قائل تو نہیں ہوں۔" تھانیدار نے کچھ کہتے ہوئے کہا۔ "مگر رات جو کچھ ہوا وہ میں نے خود دیکھا تھا۔"

"اور آپ کے ساتھ یہ لڑکے۔۔۔۔۔"

"ہاں، انہیں میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ انہیں بھی وہ بھُوت نظر آیا تھا۔ اور نہ صرف نظر آیا تھا بلکہ انہوں نے اس کی چیخیں بھی سُنی تھیں۔"

"حیرت ہے، صاحب!" قادر بخش بولا۔

اب وہ لوگ اندر جا چکے تھے اور عاقِب اور نسیم انہیں بھُوت کے ظاہر ہونے کے انداز اور جگہیں بتا رہے تھے۔

”ہوں ہوں ہوں!“ قادر بخش نے دائیں بائیں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”سمجھ میں نہیں آتا، سمجھ میں نہیں آتا! اس مکان کے بارے میں سُنا تو میں نے بھی تھا کہ آسیب زدہ ہے، لیکن کبھی اس میں بھُوت پریت پھرتے ہوئے نہیں سُنا۔“

”قادر صاحب، اس دیوار کے پیچھے کیا ہے؟“ تھانیدار نے پچھلی دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔“ قادر بخش نے جواب دیا۔

”ہم خاص طور پر اس وقت یہاں اس لیے آئے ہیں کہ یہ دیکھیں کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے۔“ تھانیدار نے کہا۔ اصل میں اس دیوار کر اُوپر سے گراتے ہوئے چند مزدوروں نے کچھ دیکھا ہے۔ ہم نے انہیں فوراً کام روکنے کو کہہ دیا تھا تاکہ باقی کام ہمارے سامنے ہو۔“

”تو آیئے، دیکھے لیتے ہیں کہ کیا معاملہ ہے۔“ قادر بخش نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ ”جہاں تک میری معلومات کا تعلّق ہے، مجھے اس مکان

میں کسی خفیہ تہہ خانے یا اور کسی خفیہ چیز کا علم نہیں۔"

"تو چلیے، اب دیکھے لیتے ہیں۔ مزدوروں کا خیال ہے کہ دیوار نیچے جا کر اندر سے کھوکھلی ہے اور وہاں کوئی خفیہ خانہ یا تہہ خانہ ہے۔"

تھانیدار نے مزدوروں کو بُلوایا اور دیوار کو گرانے کا حکم دیا۔ دیوار گرنے سے وہاں ایک تابوت نظر آیا۔ اس تابوت پر گرد پڑی ہوئی تھی۔ تھانیدار نے آگے بڑھ کر گرد ہٹائی تو تابوت پر لکھا ہوا تھا۔ "بیگم زمرّد۔ خُدا اُن کی مغفرت کرے۔"

"حیرت ہے! بیگم زمرّد شوہر کی زندگی ہی میں فوت ہو گئی تھیں۔ مگر زمرّد خان نے کسی کو اس بات کی اِطّلاع نہ دی۔" قادر بخش نے کہا۔

"ہاں، یہاں سب لوگ یہی سمجھتے رہے کہ بیگم زمرّد شوہر کے مرنے کے بعد اس کی قیمتی اشیا لے کر مکران چلی گئیں۔" تھانیدار نے کہا۔ "آیئے تابوت دیکھیں۔" تابوت کھولا گیا تو اچانک قادر بخش نیچے جھُکا اور اُس نے لاش کے پاس پڑا ہوا ہیروں کا ہار اُٹھا لیا۔

”یہ ہار بیگم پروین کی امانت ہے۔ اس لیے میں اسے اپنے پاس رکھ رہا ہوں۔“ قادر بخش نے کہا۔ ”ہم لوگ یہ سمجھتے تھے کہ بیگم زمرّد شوہر کے مرنے کے بعد، دوسری قیمتی اشیا کے ساتھ، ہیروں کا یہ ہار بھی اپنے ساتھ لے گئی ہیں۔“

”مگر یہ ہیرے اصلی ہیں کیا؟“ عاقِب نے پوچھا۔ وہ اس بات پر حیران ہو رہا تھا کہ ہیرے چمک دار بالکل نہ تھے، بلکہ دیکھنے میں خاصے بھدّے نظر آ رہے تھے۔

”ہاں، یہ بالکل اصلی ہیں اور بہت قیمتی ہیں۔“ قادر بخش نے کہا۔ ”البتّہ یہ تراشے ہوئے نہیں ہیں۔“

عنبر، نسیم اور عاقِب حیرت سے ہار کی طرف دیکھنے لگے۔

کوئٹے سے ٹیلی فون

"سوال کئی پیدا ہوتے ہیں۔"عنبر نے اس رات اپنے ہیڈ کوارٹر میں ہونے والے سُراغ رسانوں کے اجلاس میں کہا۔"ایک تو یہ کہ جن آدمیوں نے بھُوت دیکھا تھا، ان کی تعداد واضح کیوں نہیں؟ ہر آدمی یہی کہتا ہے کہ وہ چھ یا سات تھے۔"

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ یہ معاملہ بہت اہم ہے کہ وہ آدمی کتنے تھے؟" عاقِب نے پوچھا۔

"نہیں۔ یہ بات اہم نہیں کہ وہ کتنے تھے۔ اہم بات یہ ہے کہ اُن کی تعداد کے بارے میں غلط فہمیاں کیوں ہیں؟ اور ہر آدمی چھ یا سات ہی تعداد بتا رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی آدمی اس چھوٹے سے مجمع میں یا تو بعد میں آ کر ملا ہے یا پہلے ہی وہاں سے چلا گیا۔ وہ کون تھا؟"

"خدا جانے۔" نسیم نے کہا۔ "آگے چلو۔ اور کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟"

"اور یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان سب لوگوں کو وہاں جانے کا دھیان کیسے آیا؟ اور ان سب کے ہاتھ میں ٹارچیں کیوں نہیں؟" عنبر نے کہا۔

"اس کا جواب میرے پاس ہے۔" عاقِب نے کہا۔ "سنو! تمام لوگوں نے تھانیدار کے پوچھنے پر یہ بتایا تھا کہ انہیں سڑک پر زمرّد خان کے مکان کی طرف سے دو آدمی آتے ہوئے ملے تھے، جنہوں نے بتایا کہ وہاں خوف ناک چیخ کی آواز سنائی دی ہے۔ وہ دونوں یوں ہی اس مکان کی طرف جا رہے تھے کیوں کہ انہوں نے سنا تھا کہ اب اسے گرایا جا رہا ہے۔"

"ٹھہرو!" عنبر نے اپنا نچلا ہونٹ نوچتے ہوئے کہا۔ "اس بات کا مطلب یہ

ہوا کہ وہ دونوں شخص اس مکان میں کسی نہ کسی طرح دلچسپی رکھتے ہیں۔"

"ممکن ہے۔"

"اچھا، آگے چلو۔"

"ان دونوں آدمیوں نے سڑک کے نزدیک کے مکانوں میں سے ان چار پانچ آدمیوں کو اکٹھا کیا اور کیوں کہ اُن کا مقصد ہی چیخ کا سُراغ لگانا تھا، اس لیے ہر آدمی نے ٹارچ لینا مناسب سمجھا۔"

"یہ تو بات ہوئی۔ اب اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زمرّد خان نے دنیا والوں سے اپنی بیوی کی موت کا راز کیوں چھپایا؟"

"ہو سکتا ہے اسے اپنی بیوی کے مکرانی باپ کا ڈر ستا رہا ہو۔ اور ہاں، یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اس نے بیوی کو قتل کر دیا تھا۔" نسیم نے رائے ظاہر کی۔

"نہیں۔ یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔" عاقِب نے انکار میں سر ہلاتے

ہوئے کہا۔ ”اگر اس نے بیوی کو قتل کیا ہوتا تو اس کے گلے میں قیمتی ہیروں کا ہار نہ ڈالتا۔“

”شاباش! عاقِب“ عنبر نے داد دیتے ہوئے کہا۔ ”تم واقعی سُراغ رسانوں کی طرح سوچنے لگے ہو۔ میرا ابھی یہی خیال ہے کہ بوڑھے زمرّد خان نے اپنی بیوی کو قتل نہیں کیا ہو گا۔ وہ تو اس سے بے حد محبّت کرتا تھا، اور اسی لیے اُس نے اس کے مرنے کے بعد اس کی لاش تابوت میں بند کروا کر اپنے گھر میں رکھ چھوڑی ہو گی کہ جب چاہے اسے دیکھ سکے۔“

”اور اس کے گلے میں ہیروں کا ہار بھی یہی بات ظاہر کرتا ہے کہ زمرّد خان کو اس سے بہت محبت ہو گی۔“

”مگر یہاں ایک بات اور غور کے قابل۔۔۔۔“

ٹرررن ٹرررررن۔ ٹرررن ٹرررررن۔ اچانک اُن کے ہیڈ کوارٹر میں لگے ہوئے ٹیلے فون کی گھنٹی بجنے گی۔ عنبر نے اپنا سوال درمیان میں چھوڑا اور ٹیلے فون کی طرف لپکا۔

”ہیلو! ہیلو!“ اس نے کہا۔ کمرے میں موجود باقی دونوں سُراغ رساں بھی ٹیلی فون پر ہونے والی باتیں پوری طرح سن سکتے تھے کیوں کہ ہیڈ کوارٹر میں ٹیلی فون کے ساتھ انہوں نے چھوٹے سے لاؤڈ سپیکر نصب کر رکھے تھے۔

”ہیلو! آپ کی کوئٹے سے ٹرنک کال ہے۔“ آپریٹر نے کہا۔

”ملوایئے۔“عنبر نے کہا۔ تینوں سُراغ رساں پوری توجّہ سے ٹیلے فون سُننے لگے۔

”میں پروین بول رہی ہوں۔“ ایک زنانہ آواز آئی۔

”ہم سمجھ گئے۔“عنبر نے کہا۔ ”فرمایئے؟“

زنانہ آواز نے کہا۔ ”اگر تم سمجھ گئے ہو کہ میں کون ہوں تو بہتر ہے تمہارے لیے میری طرف سے کوئٹے کی دو سیٹیں ہوائی جہاز میں بُک کرا دی گئی ہیں۔ آج شام کی فلائٹ سے تم دونوں لڑکے جنہوں نے میرے

خالو زمرّد خان کا بھُوت دیکھا ہے۔ یہاں پہلے آؤ اور مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا کچھ دیکھا۔"

"آپ ہمارے ماں باپ سے اجازت لے لیتیں تو۔۔۔"

"بیٹے، وہ تو میں لے چکی ہوں۔" پروین نے جواب دیا انہوں نے تمہیں یہاں آنے کی اجازت دے دی ہے۔ اس کے بعد ہی میں نے قادر صاحب کے ذریعے سیٹیں بُک کروائیں اور اب تمہیں فون کر رہی ہوں۔"

"لیکن بھُوت کا حُلیہ وغیرہ تو فون پر بھی پوچھ سکتی ہیں۔ اس کے لیے اتنا زیادہ۔۔۔۔"

"میں جانتی ہوں۔" پروین نے کہا۔ "لیکن میں کیا کروں۔ رات میں نے وہی بھُوت اپنے کمرے میں دیکھا ہے۔"

بھُوت کا سفر

"اب کیا ہو گا؟" نسیم نے ٹیلی فون کا ریسیور رکھتے ہی کہا۔

"اب یہ ہو گا کہ تم اور عاقِب شام کے جہاز سے کوئٹے جاؤ گے۔" عنبر نے جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے، بیگم پروین صاحبہ نے تو صرف مجھے اور عاقِب کو بلایا ہے۔"

"تو کیا ہوا؟" عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ظاہر ہے کہ صرف تم دونوں

نے بھی بھُوت دیکھا تھا۔ اس لیے انہوں نے صرف تمہیں ہی بُلایا ہے۔ اگر میں تم لوگوں کے ساتھ مکان دیکھنے گیا ہوتا تو میں بھی جاتا۔ مگر اس سے کیا ہوا۔ ہم ایک ٹیم ہیں اور مل جل کر کام کرتے ہیں۔ تم وہاں جا کر کوئٹے کی وادی کے حالات پر نظر رکھنا۔ میں یہاں دھیان رکھوں گا۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" نسیم کی سمجھ میں بات آ گئی "لیکن اگر ہمیں وہاں تمہاری مدد کی ضرورت پڑی تو کیا کریں گے؟"

"ہاں، یہ سوال معقول ہے۔" عنبر نے ہونٹ نوچتے ہوئے کہا۔ "اس کا حل ابھی سوچتے لیتے ہیں۔۔۔ ہوں۔۔۔ ٹھیک ہے۔" اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" نسیم نے پوچھا۔

"ہم اپنے اپنے جیب خرچ میں سے جو روپے اب تک بچائے ہیں، وہ کس دن کام آئیں گے؟ ہم انہیں آدھے آدھے بانٹ لیتے ہیں اور جسے ضرورت پڑے، وہ دوسرے کو ٹیلے فون کر سکتا ہے۔"

”ہاں، یہ ٹھیک ہے۔“

وہ ہوائی جہاز کے ذریعے چند گھنٹوں میں کوئٹے پہنچ گئے۔ ہوائی اڈّے پر قادر بخش نے اُن کا استقبال کیا اور انہیں اپنے ساتھ ایک جیپ میں بیٹھا کر وادی میں لے گیا جہاں بیگم پروین رہتی تھیں۔ بیگم پروین کو انگوروں کے کچھ باغ ورثے میں ملے تھے، اور کچھ باغ انہوں نے قرض لے کر خریدے تھے۔ آج کل انگوروں کا موسم تھا۔ پھل اُتارنے اور لکڑی کے ڈبّوں میں بند کرنے کے لیے وہاں مکرانی مزدور کام کرتے تھے۔ پیٹیوں میں بند کر کے یہ نرم، نازک اور شیریں پھل ٹرک یا جیپ کے ذریعے کوئٹے پہنچا دیا جاتا جہاں سے ملک کے دوسرے بڑے شہروں میں بھیج دیا جاتا تھا۔ آج کل انگوروں کے باغ اپنے پُورے جوبن پر تھے اور دن بھر کام ہوتا تھا۔ مگر اب رات کا وقت تھا اس لیے وادی سنسان پڑی تھی۔

یہ ساری باتیں قادر بخش نے عاقِب اور نسیم کو راستے میں بتائیں۔ دونوں لڑکوں کو اس وقت سرور آ رہا تھا۔ اس لیے وہ قادر بخش کی باتوں کے

دوران میں صرف ہوں ہاں کرتے رہے۔ بیچ میں کوئی سوال نہ کیا۔

ان کی جیپ وادی میں پہنچ کر زمرّد منزل کے سامنے ٹھہر گئی۔ زمرّد منزل ایک سبز رنگ کا خوب صورت سا مکان تھا۔ قادر بخش نے بتایا کہ بیگم پروین اپنے محسنوں سے بڑا اچھّا سلوک کرتی ہیں اور اسی لیے انھوں نے مکان کا نام اپنے مرحوم خالُو زمرّد خان کے نام پر رکھا ہے۔ اور چوں کہ زمرّد سبز رنگ کے ہیرے کو کہتے ہیں، اس لیے انھوں نے اپنے مکان پر سبز رنگ کرا رکھّا ہے۔

زمرّد منزل میں پہنچتے ہی ایک مکرانی خاتون نے مُسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا اور مکرانی زبان میں کچھ کہا، جس کا مطلب قادر بخش نے یہ بتایا کہ بیگم پروین تھوڑی دیر بعد آئیں گی اور انھوں نے کہا ہے کہ اس دوران میں لڑکوں کو کھانا کھلا دیا جائے۔

”ہمیں اس وقت بالکل بھی بھوک نہیں ہے ہم جلد از جلد بیگم صاحبہ سے ملنا چاہتے ہیں۔“ عاقِب نے کہا۔

”اچھا، آپ تشریف رکھیے۔ میں انہیں لے کر آتا ہوں۔“ قادر بخش نے بڑے ادب سے کہا۔ دونوں لڑکے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر میں قادر بخش ایک ادھیڑ عمر کی خاتون کے ساتھ آیا۔ عاقِب اور نسیم سمجھ گئے کہ یہی بیگم پروین ہیں۔ وہ ادب سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

”جیتے رہو، بیٹا۔“ بیگم پروین نے بڑے پیار سے کہا۔

”یہاں آنے کا بہت بہت شکریہ۔“ یہ کہہ کر انہوں نے انہیں بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور خود بھی سامنے ایک کرسی بیٹھ گئیں۔ قادر بخش نے بھی ایک کرسی سنبھال لی۔

”آپ نے۔۔۔“ نسیم نے کہنا شروع کیا ہی تھا کہ بیگم پروین نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”ٹھہرو بیٹے۔ پہلے اپنا تعارف تو کرادو۔“

”میں نسیم ہوں۔“

”میرا نام عاقِب ہے۔“

”اچھا، اب پہلے تم دونوں کھانا کھالو۔ اس کے بعد میرے کمرے میں آ جانا۔ میں وہیں تم لوگوں سے بات چیت کروں گی۔ اصل میں میرے جوڑوں میں درد ہے، اس لیے زیادہ دیر کرسی پر نہیں بیٹھا جاتا۔ لو، نوکرانی کھانا لے آئی۔ اب تم لوگ کھانا کھالو اور پھر میرے کمرے میں آ جانا۔ ہاں قادر، مجھے سہارا تو دینا ذرا۔“ بیگم پروین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

قادر نے سہارا دے کر انہیں اُٹھایا اور وہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

نوکرانی اپنے ہاتھوں میں ایک بڑی سی ٹرے تھامے ہوئے تھی جس میں سے کھانوں کی خوشبوئیں آ رہی تھیں۔ کھانا میز پر سجتے ہی عاقِب اور نسیم کو بھوک لگنے لگی۔ وہ بھُوت کا قصّہ بھول کر کھانے پر پل پڑے۔

تب اچانک انہیں ایک چیخ سنائی دی۔ ”زنانہ چیخ! اور ساتھ ہی نوکرانی مکرانی زبان میں کچھ کہتی ہوئی پروین کے کمرے کی طرف دوڑی۔ عاقِب اور نسیم بھی جھپٹ کر اُدھر چل پڑے۔

وہ دونوں نوکرانی سے پیچھے پیچھے بیگم پروین کی خواب گاہ میں جا پہنچے۔ وہاں

جا کر انہوں نے دیکھا کہ بیگم پروین اپنے بستر پر بے سُدھ لیٹی ہیں اور قادر بخش ان کے ہاتھ سہلا رہا ہے۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

قادر بخش نے نوکرانی سے مکرانی زبان میں کچھ کہا تو وہ فوراً ایک گلاس میں پانی لے آئی۔ قادر نے پانی کے چند چھینٹے بیگم پروین کے چہرے پر ڈالے اور چند لمحوں بعد انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

"میں۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ اوہ!" انہوں نے گھبراہٹ کے عالم میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں بے ہوش ہو گئی تھی میں زندگی میں پہلی بار بے ہوش ہوئی تھی۔" وہ بہت زیادہ گھبرائی ہوئی تھیں۔

"کیا ہوا تھا؟" قادر نے پوچھا۔

"بتایئے نا بیگم صاحبہ، کیا ہوا تھا؟" نسیم نے بھی بے تابی سے پوچھا۔

انہوں نے بولنے کی کوشش کی مگر الفاظ منہ سے نہ نکل رہے تھے۔

"ہاں ہاں، بتایئے نا بیگم صاحبہ، کیا بات ہوئی تھی؟" اب کے عاقِب نے

کہا۔ وہ پلنگ کی پٹّی پر بیٹھ کر حیرت سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”وہ۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔جب میں۔۔۔۔۔ اس کمرے میں آئی۔۔۔۔ تو۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ اس کھڑکی کے پاس دیوار کے پاس۔۔۔۔۔۔۔ دیوار کے۔۔۔۔ پاس۔۔۔۔ خالو زمرّد خان کا بھُوت کھڑا ہوا تھا!“

ہیرے چوری ہو گئے

آدھ گھنٹے بعد عاقِب اور نسیم کھانے کی میز پر واپس پہنچے اور قادر بھی ان کے ساتھ ہی وہاں آ بیٹھا۔ بیگم پروین سو چکی تھیں، مگر قادر ابھی تک پریشان سا نظر آ رہا تھا۔

"جناب، کیا آپ نے بھی بھُوت دیکھا تھا؟" عاقِب نے قادر سے پوچھا۔

قادر نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "نہیں۔ جب میں بیگم صاحبہ کو کمرے میں چھوڑنے دروازے تک آیا تو وہاں کوئی بھُوت، میرا

مطلب ہے کہ وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ جوں ہی میں دروازے میں انہیں چھوڑ کر واپس جانے کے لیے مُڑا تو ایک چیخ کی آواز سنائی دی۔ میں واپس مُڑا اور دروازے میں داخل ہوا تو وہاں اندھیرا ہی اندھیرا نظر آیا۔ میں نے بجلی کا سوئچ آن کیا لیکن وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ میں نے بیگم صاحبہ کی طرف نظر دوڑائی تو ان کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا تھا اور وہ گرنے ہی والی تھیں۔ میں نے جھپٹ کر انہیں سہارا دینے کی کوشش کی مگر وہ بے ہوش ہو کر میری بانہوں میں آ پڑیں۔ تب میں نے انہیں بستر پر لٹا دیا اور ان کے ہاتھ سہلانے لگا۔ اس سے آگے تم جانتے ہی ہو کہ کیا ہوا۔"

"ہاں، وہ تو ہم جانتے ہی ہیں۔" نسیم نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ کل انہوں نے جو بھُوت دیکھا تھا، اس کے بارے میں تمہیں ٹیلے فون پر بتایا تھا۔"

"ہاں، اور اسی سلسلے میں گفت گو کرنے کے لیے انہوں نے ہمیں یہاں بلایا تھا لیکن ابھی تک اس کی نوبت ہی نہ آ سکی۔" عاقِب نے کہا۔

"اور آج بھُوت پھر آ نکلا۔" قادر نے افسوس کے لہجے میں کہا۔ "اگر مجھے

بھُوت مل جائے تو میں اس سے پوچھوں کہ بھائی، بیگم پروین نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو تم ان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو۔"

"تو کیا آپ کو وہ بھُوت ابھی تک بالکل نظر نہیں آیا، ایک بار بھی نہیں؟ ایک جھلک بھی نہیں؟" عاقِب نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں، اور مجھے اس چیز کا افسوس ہے۔" قادر نے کہا۔ "کل رات وہ بھُوت ایک تو بیگم پروین کو نظر آیا تھا اور ایک کام کرنے والی عورت کو اور میرا خیال ہے کہ اس نے کافی لوگوں تک یہ خبر پہنچادی ہو گی کہ زمرّد خان کا بھُوت وادی میں پھِر رہا ہے۔"

"آپ کو کیسے یہ خیال آیا کہ اس عورت نے یہ خبر۔۔۔" نسیم نے جملہ پورا نہیں کیا تھا کہ قادر خان بیچ میں بول پڑا۔

"اوّل تو عورتیں خبریں پھیلانے میں بڑی ماہر ہوتی ہیں اور دوسرے میں نے شام ہی چند مزدوروں کو ڈرے سہمے لہجے میں بھُوت کی باتیں کرتے ہوئے سنا تھا۔ ظاہر ہے کہ مزدوروں تک یہ خبر اس عورت کی زبانی ہی پہنچی

ہو گی اور یہ بات بہت بری ہوئی۔ بہت ہی بُری۔ آج کل انگوروں کا موسم ہے اور اگر اس علاقے میں خوف و ہراس پھیل گیا تو مزدور کام چھوڑ کے بھاگ جائیں گے۔"

"لیکن جناب، یہ لوگ کیا بھُوت پریت پر یقین رکھتے ہیں؟"

"میں کہہ نہیں سکتا۔ میرا خیال ہے کہ جس طرح بیگم پروین اب تک دو بار بھُوت دیکھ چکی ہیں اور ایک بار تو دیکھ کر بے ہوش بھی ہو چکی ہیں، اس طرح اپنی آنکھوں دیکھ لینے کے بعد تو کوئی بھی آدمی بھُوت کو سچ مان جائے گا۔ اور پھر جاہل لوگ تو بڑے وہمی ہوتے ہیں۔ اگر ایک بار مزدوروں میں بھُوت کی خبر پھیل گئی مجھے ڈر ہے کہ کام نہ بند ہو جائے۔"

نسیم اور عاقِب غور سے قادر کی باتیں سُن رہے تھے۔

"اور اگر خدانخواستہ کام بند ہو گیا تو بیگم صاحبہ کو بڑا نقصان ہو گا۔ انہوں نے پرانے باغوں پر قرض لے کر جو نئے باغ خریدے ہیں، اس قرض کی ادائی کے لیے اس بار کی فصل بڑی اہم ہے۔"

”مگر قادر صاحب۔“ نسیم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”کیا وہ قیمتی ہیرے بیگم پروین کے نہیں ہیں؟ آخر زمرّد خان کی ساری جائیداد کی اب وہی تو مالک ہیں۔“

”یہ تم نے اچھی بات سوچی۔“ قادر نے کہا۔ ”مگر ان ہیروں کے بارے میں ایک جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ جوں ہی آج صبح کے اخباروں میں ہیروں کی دریافت کے بارے میں خبر چھپی، میرے پاس کہیں سے ایک ٹیلے فون آیا۔“

”ٹیلے فون کہاں سے؟“ عاقِب نے پوچھا۔

”ٹیلے فون کرنے والے نے اپنا نام پتا نہیں بتایا، مگر اس نے یہ کہا کہ وہ زمرّد خان کے بیوی کے رشتہ داروں میں سے ہے، اس لیے اُن قیمتی ہیروں پر اس کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا بیگم پروین کا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ اس سلسلے میں چند روز تک خود بیگم پروین سے ملے گا اور اگر اس دوران میں ہیروں کو فروخت کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ عدالت میں مقدمہ دائر

کر دے گا؟"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ حالات بہت نازک ہیں۔" نسیم نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"کیا ہم وہ ہیرے ایک نظر دیکھ سکتے ہیں؟" عاقِب نے کہا۔

"میں خود ہی تم سے پوچھنے والا تھا کہ کیا تم لوگ وہ قیمتی ہیرے دیکھنا پسند کرو گے؟ آؤ میرے ساتھ۔" قادر بولا۔

وہ انہیں ساتھ لے کر ایک کمرے میں گیا جو کچھ چھوٹا تھا اور جہاں مختصر سا فرنیچر پڑا تھا۔ ایک میز، دو کرسیاں اور ایک تجوری۔

قادر نے آگے بڑھ کر تجوری کھولی اور ہیروں کا ہار ہاتھ میں لے کر عاقِب اور نسیم کو دکھانے لگا۔ "ان میں سے ایک ایک ہیرا ہزاروں روپوں کا ہے۔" اس نے بتایا۔

"لیکن ان کا رنگ تو بہت بھدّا ہے۔" عاقِب نے کہا۔

”یہ ابھی تراشے نہیں گئے نا۔“ قادر نے کہا۔ ”جب تراشے جائیں گے تو ان کی چمک دمک دیکھنے کے قابل ہو گی۔“

اسی لمحے ایک آدمی ہانپتا کانپتا اس کمرے میں داخل ہوا اور قادر سے کہنے لگا۔ ”وہ۔۔۔۔۔ وہ بھُوت۔۔۔ انگوروں کے باغ نمبر ۳ میں ابھی ابھی پھرتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ تین مزدور باغ میں کام کر رہے تھے کہ انہیں اچانک بھُوت نظر آ گیا۔۔۔لمبے سے سبز لباس میں!۔۔۔۔مزدور بھاگ کھڑے ہوئے!اب آپ چل کر انہیں سمجھائیں بجھائیں۔اگر انہوں نے یہ خبر مزدوروں کی بستی میں جا کر سنائی، تو ہم تو تباہ و برباد ہو جائیں گے؟“

”اچھا تو چلو، آؤ۔“ قادر بخش ہار تجوری میں رکھ کر اس آدمی کے ساتھ تقریباً دوڑنے لگا۔

”آؤ۔“ کہہ کر اس نے عاقِب اور نسیم کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا تھا اس لیے وہ بھی ان کے ساتھ چل پڑے۔

زمرّد منزل سے باہر نکل کر وہ ایک جیپ میں بیٹھ گئے۔ اجنبی جیپ چلانے

لگا۔

"یہ ہمارے باغات کے مینجر ہیں۔" قادر نے عاقِب اور نسیم کو بتایا۔ "ان کا نام جبّار ہے، عبد الجبّار۔"

"تبھی یہ باغوں کے بارے میں اتنے زیادہ فکر مند ہیں۔" نسیم نے کہا۔

"ہاں، یہ میرا فرض ہے کہ بہار کے موسم میں انگور کا ایک دانہ بھی ضائع نہ ہونے دوں۔ اور یہاں یہ کم بخت بھُوت کا ٹنٹا کھڑا ہو گیا ہے۔ اگر مزدور بھاگ گئے تو ہماری فصل چوپٹ ہو جائے گی۔" جبّار نے جیپ کی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ لوگ باغ نمبر ۳ کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں ایک شخص ان کی جیپ کو آتے دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے ان کے اترتے ہی کہا۔

"سلام صاحب۔"

"شرفو! ان لوگوں کا کچھ پتا چلا؟" جبّار نے اس آدمی سے پوچھا۔

"نہیں سرکار۔" شرفو نے کہا۔ "وہ لوگ کہیں بھی نہیں ملے۔ لگتا ہے بھُوت کے ڈر سے کہیں چھپ گئے ہیں۔ مزدوروں کی بستی میں بھی میں نے آدمی بھیجا ہے۔" جبّار نے کہا۔ "اگر وہ بستی میں چلے گئے اور مزدوروں کو بتادیا تو ہمیں بہت نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

اچانک قادر نے سر پر ایک زوردار ہاتھ مارا اور نسیم اور عاقِب سے کہنے لگا۔ "تمہیں یاد ہے میں نے تجوری کو بند بھی کر دیا تھا؟" اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"ہمیں تو اس بارے میں کچھ یاد نہیں۔" نسیم نے کہا۔

"میرا خیال ہے آپ نے تجوری بند کر دی تھی۔" عاقِب سوچتے ہوئے بولا۔

"نہیں۔" جبّار چلّایا۔ "نہیں۔ آپ نے تجوری بند نہیں کی تھی۔ آپ فوراً میرے ساتھ دوڑ پڑے تھے۔"

"اچھا تو تم لوگ یہیں ٹھہرو۔" قادر جیپ میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ "میں جلدی سے تجوری دیکھ کر آتا ہوں۔"

اس نے جیپ سٹارٹ کی اور ایک دم تیز دوڑا دی۔

"اُفّوہ! جبّار نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔" قادر صاحب نے بھی کیا غضب کیا۔ تم لوگوں کو بھی ساتھ لے جاتے۔ تم ابھی اس علاقے سے واقف نہیں ہو۔ میری مدد کیا کر سکتے ہو۔ آؤ، میں تمہیں زمرّد منزل چھوڑ آؤں۔ واپس آ کر مجھے ان مزدوروں کو سمجھانا بجھانا ہے۔" وہ انہیں ساتھ لے کر زمرّد منزل کی طرف چل پڑا۔ ابھی وہ چند ہی قدم گیا ہو گا کہ نسیم اور عاقِب کسمسانے لگے۔

"آپ ہماری وجہ سے اپنا نقصان نہ کریں۔" نسیم نے کہا۔ "ہمیں ایک ٹارچ دے دیں اور راستہ بتا دیں ہم خود واپس چلے جائیں گے۔ میل سوا میل ہی تو جانا ہے؟"

"ہاں، آپ جا کے مزدوروں کو سمجھائیں۔" عاقِب نے کہا۔ "ہم خود ہی

واپس چلے جائیں گے؟"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے وہاں سے چل پڑے۔ انہیں زمرّد منزل پہنچنے میں کوئی پندرہ منٹ لگے۔ زمرّد منزل پُرسکون نظر آرہی تھی۔ کچھ کمروں میں روشنی نظر آرہی تھی۔ بعض میں اندھیرا تھا۔

وہ دونوں تیز تیز قدم بڑھاتے اندر داخل ہوگئے۔ ڈیوڑھی کا بڑا کمرا خالی پڑا تھا۔

"ملازم سوگئے ہیں شاید۔" عاقِب نے کہا۔

"قادر صاحب کے کمرے میں دیکھو۔ وہ بھی وہاں ہیں یا نہیں؟" نسیم نے کہا۔

"ہاں، یہ پتا کرلیں کہ ہیرے محفوظ بھی ہیں یا نہیں۔" عاقِب نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ جلد ہی وہ قادر کے کمرے میں پہنچ گئے۔ کمرے کی بتّی بجھی ہوئی تھی۔ ان کے کان کھڑے ہوگئے۔ بتّی تو روشن ہونا چاہیے تھی۔

انہوں نے کواڑ ہلایا۔ دروازہ کھُل گیا۔

اندر جاتے ہی انہوں نے بتّی جلائی۔ سامنے فرش پر قادر لیٹا ہوا تھا، اس طرح کہ اس کے دونوں ہاتھ پاؤں رسّی سے بندھے ہوئے تھے اور منہ پر کپڑا بندھا ہوا تھا۔ انہوں نے جھپٹ کر قادر کا منہ کھولا۔ منہ کھلتے ہی وہ چلّایا۔ "وہ۔۔۔۔وہ لوگ ہیرے چُرا کر لے گئے ہیں!"

سُراغ رساں گُم ہو گئے

اُدھر عنبر اپنے گھر میں بیٹھا ہوا ہونٹ نوچ رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کچھ سوچ رہا ہے۔ آج اس کے خالو اور خالہ کسی عزیز سے ملنے گئے ہوئے تھے اور گھر میں وہ بالکل اکیلا تھا۔

یکایک اس نے زور سے چیخ ماری۔ پورے جسم کا زور لگا کر۔

اگلے ہی لمحے دروازہ دھڑ سے کھلا اور اس کا پڑوسی فیروز بھاگتا ہوا اندر آیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"کیا ہوا بیٹے؟" اس نے آتے ہی پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" عنبر نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ آپ نے میری آواز سُن لی۔"

"ہاں، یقیناً۔" فیروز نے کہا۔ "بھئی تمہاری کھڑکی کھلی ہوا تھی اور میری گھر کی بھی کھُلی ہوئی تھی۔ پھر آواز کیوں نہ "آتی؟"

"میں بھی یہی کہنے والا تھا کہ اگر کھڑکی بند ہوتی تب شاید اتنی دور نہ جاتی۔"

"کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو؟" فیروز نے چکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے اتنا تو بتادو کہ خیریت تو ہے؟"

"بالکل خیریت ہے، چچا فیروز۔" عنبر نے کہا۔ "میں بس ایک تجربہ کر رہا تھا۔"

"اچھا، میں چلتا ہوں۔" فیروز نے مُڑتے ہوئے کہا۔ "اب تو چیخ نہیں مارو

گے نا؟"

"نہیں۔ آپ اطمینان رکھیں۔" عنبر نے جواب دیا۔

فیروزا اپنے گھر چلا گیا تو عنبر پھر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ دراصل وہ بھُوت کی اس چیخ کے بارے میں غور کر تھا جسے سُن کر عاقِب اور نسیم زمرّد خان کے مکان کی سمت جانے والے آدمیوں سے ملے تھے۔ وہ اُس چیخ کی ٹیپ سے ایک مرتبہ پھر سننے کے لیے ہیڈ کوارٹر پہنچا۔ ابھی وہاں گیا ہی تھا کہ ٹیلے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ یہ ٹرنک کال تھی اور عاقِب بول رہا تھا۔

"سناؤ، عاقِب!" عنبر نے پوچھا۔ "تم نے بھی زمرّد خان کا بھُوت دیکھا؟"

"نہیں۔ لیکن بیگم پروین کو وہ ایک مرتبہ پھر نظر تھا۔ اور ہاں، یہاں ایک اور سنسنی خیز واقعہ۔۔۔۔۔"

"ٹھہرو!" عنبر نے کہا۔ "تمہارا سانس پھولا ہوا ہے۔ دیکھو، سُراغ رساں کو

کسی وقت بھی گھبرانا نہیں چاہیے۔ کیسا ہی واقعہ ہو جائے، اسے سکون اور اطمینان سے کام کرنا چاہیے۔"

"تو۔۔۔؟"

"ہاں، اب تم ترتیب وار گزرنے والے واقعات کے بارے میں مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ میرا مطلب ہے جتنی تفصیل ٹیلے فون پر ممکن ہو۔"

"تو سنو۔" یہ کام عاقِب کے لیے اتنا آسان نہ تھا۔ وہ جلد از جلد عنبر کو ہیروں کی چوری کا بتانا چاہ رہا تھا۔ پھر بھی اس نے اطمینان سے ترتیب وار بتانا شروع کیا۔ آخر میں ہیروں کی چوری کا ذکر سنا کر گویا اس اپنے دل پر سے ایک بڑا بوجھ اتار دیا۔ اب اس کے آواز پُر سکون تھی۔

"کیا ہیروں کی چوری کی رپٹ تھانے میں لکھوادی ہے؟" عنبر نے پوچھا۔ وہ پھر ہونٹ نوچنے لگا تھا۔ "ہاں۔ وادی میں ایک پولیس چوکی ہے۔" عاقِب نے کہا۔ "وہاں کے انچارج کو قادر صاحب نے پوری تفصیل بتادی ہے۔ جب قادر صاحب ہیرے دیکھنے اپنے کمرے میں پہنچے تو چند لوگ

وہاں چھپے ہوئے تھے، جنہوں نے انہیں پکڑ کر ہاتھ پاؤں باندھ دیے اور منہ پر کپڑا لپیٹ دیا۔ پھر انہوں نے تجوری کی چابی اُن کی جیب سے نکالی اور ہیرے لے کر چمپت ہو گئے۔"

"قادر صاحب نے چوروں کا حلیہ بھی پولیس کو بتایا؟"

"نہیں۔ حلیہ دیکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔"

"اچھا، تم لوگ آنکھیں کھلی رکھنا اور اگر کوئی اور اہم بات ہو تو مجھے فوراً بتانا۔"

"ایک اور اہم بات یہ ہے کہ بیگم پروین کا بیٹا کراچی سے آگیا ہے۔ اس کو پیار سے چندا کہتے ہیں۔ اصلی نام چاند خان ہے۔"

"کتنی عمر ہے اس کی؟"

"بس ہماری جتنی ہو گی۔ وہ کراچی کے کسی اسکول میں پڑھتا ہے۔ بیگم پروین نے اسے بھی ٹیلی فون کر کے بلا لیا۔ وہ اپنی ماں کے خالو جان کے

بھُوت کا سن کر بہت پریشان ہے۔"

"اس وقت وہ کہاں ہے؟"

"اس وقت وہ نسیم کے ساتھ چائے کی میز پر بیٹھا باتیں کر رہا ہے۔ نسیم اس کا دل بہلا رہا ہے۔"

"اور کوئی خاص بات؟"

"نہیں۔"

"اچھا، چند اپر بھی نظر رکھنا۔ بس خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

ٹیلے فون کا ریسیور رکھ کر عنبر پر اپنا ہونٹ نوچنے لگا۔ لیکن چند ہی لمحوں بعد وہ ایک جھٹکے سے اُٹھا اور اپنے پڑوسی فیروز کو آواز دی۔

"اب کیا بات ہوئی، میاں؟" فیروز نے آتے ہی پوچھا۔

"میں ذرا تھوڑی دیر کے لیے باہر جا رہا ہوں، چچا فیروز۔ آپ مکان کا خیال رکھنا، خالہ اور خالو آتے ہی ہوں گے۔ ان کے آنے تک آپ ڈرائنگ روم میں تشریف رکھیں۔"

"مگر جلدی لوٹنا۔"

"بہت اچھا، خدا حافظ، چچا فیروز۔" عنبر نے سائیکل لی اور تیز تیز پیدل مارتا ہوا ازمرّد خان کے مکان کی طرف چل پڑا۔

مکان کے دروازے پر کھڑے ہوئے سپاہی نے عنبر کو روکا۔ "یہاں سے بھاگ جاؤ لڑکے!" اس نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں صبح سے لوگوں کو بھگاتے بھگاتے تنگ آ گیا ہوں۔ ایک بھُوت کیا آ گیا کہ مصیبت آ گئی ہے۔ دیکھو دیکھو منہ اُٹھائے چلا آ رہا ہے، بھُوت والا مکان دیکھنے۔"

"جناب، سنیے تو سہی۔" عنبر نے کہا۔

"سنائیے۔" سپاہی بولا۔

”آپ کو یاد نہیں کہ میں اور میرے دوست تھانیدار کے ساتھ جیپ میں یہاں آئے تھے؟“

”ارے!“ سپاہی نے غور سے عنبر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تو تم وہی ہو؟“

”اب میں مکان کے اندر جانا چاہتا ہوں۔ یہ میرا کارڈ ہے، بلکہ ہم تینوں کا کارڈ ہے جو اس دن تھانیدار صاحب کے ساتھ یہاں آئے تھے۔“ عنبر نے جیب سے اپنا کارڈ نکالا اور سپاہی کی طرف بڑھا دیا۔ کارڈ پر لکھا تھا:

تین سُراغ رساں

ہم مُشکل سے مُشکل گتھیاں سلجھا سکتے ہیں

؟؟؟

سُراغ رساں نمبر ایک: عنبر

سُراغ رساں نمبر دو: نسیم

سُراغ رساں نمبر تین: عاقِب

”میرا نام عنبر ہے۔“

”اچھا، تم اندر جاسکتے ہو۔“ سپاہی نے کہا۔ ”مگر پہلے ایک بات تو بتاؤ۔“

”کیا؟“

”تمہارے کارڈ پر یہ تین سوالیہ نشان کیا چیز ظاہر کرتے ہیں؟“

”یہ ہمارا نشان ہے۔ ہر ایک فرم یا کارخانے کا ایک نشان ہوتا ہے۔ بس یہ ہمارا نشان ہے۔“ عنبر نے اندر جاتے ہوئے کہا۔ اس نے سائیکل باہر ہی چھوڑ دی تھی۔

وہ سیدھا اندر چلا گیا اور اس دیوار کے بچے ہوئے حصّے کو غور سے دیکھنے لگا جس کے نیچے بیگم زمرّد کا تابوت ملا تھا۔ اس تابوت کو پولیس نے قادر بخش کے مشورے سے قبرستان میں دفن کرا دیا تھا، اس لیے اب دیوار کی تہہ کھوکھلی دکھائی دے رہی تھی۔ دیواریں بھی خاصی موٹی تھی۔

وہ پھر ڈیوڑھی والی طرف واپس آیا، زینے پر چڑھ کر دوسری منزل میں گیا

اور زور زور سے چیخ ماری۔ اس کے بعد وہ نچلی منزل میں لوٹ آیا اور ایک اور چیخ ماری۔ اس ایک دو منٹ بعد وہ مکان سے باہر چلا آیا اور سپاہی سے پوچھنے لگا۔ ”کیا آپ نے میری آواز سنی تھی؟ میری چیخ کی آواز؟“

”اچھا تو وہ تمہاری چیخ کی آواز تھی؟“ سپاہی نے حیرت سے کہا۔ ”دو بار چیخ کی آواز آئی تھی۔ پہلی بار تو بہت مدّھم اور دُور سے آتی ہوئی معلوم ہوئی لیکن دوسری بار آواز کچھ زیادہ صاف تھی۔“

”کیا دوسری آواز کافی زور دار تھی؟“

”نہیں۔ بہت زور دار نہ تھی۔“ سپاہی نے کہا۔ ”کیوں کہ مکان کا دروازہ بند تھا۔“

”ہوں۔“ عنبر نے کچھ سوچتے کہا۔ ”جس رات اس مکان میں زمرّد خان کا بھُوت لوگوں کو نظر آیا، اس رات بھی تو دروازہ بند تھا۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“ سپاہی نے کہا۔

”مطلب میں ابھی بتاتا ہوں۔“ عنبر نے کہا۔ ”اب کے جو چیخ میں ماروں گا، اس کی آواز غور سے سننا۔“

یہ کہہ کر وہ مکان کے باہر اُگی ہوئی جھاڑیوں میں جا کر بیٹھ گیا اور زور سے چیخ ماری۔ پھر وہ واپس سپاہی کی طرف آیا تو سپاہی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اب کے تو چیخ خاصی زور دار تھی۔ مگر میں یہ اب بھی نہیں سمجھا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟“

”میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ بھُوت نے وہ خوف ناک چیخ مکان کے اندر سے نہیں بلکہ مکان کے باہر کی جھاڑیوں کے پاس سے ماری تھی جسے سُن کر لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ اگر بھُوت اندر سے اتنی زور دار چیخ مارتا تو اس کے پھیپھڑے لوہے کے ہونے چاہیں تھے۔“

”بھئی، میرا تو بھُوتوں کے بارے میں کوئی خاص تجربہ نہیں ہے۔“ سپاہی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں نہیں کہہ سکتا کہ بھُوتوں کے جسم میں پھیپھڑے ہوتے بھی ہیں یا نہیں؟“

”یہی تو اہم بات ہے۔“ عنبر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ”اس سے پتا چلتا ہے کہ بھُوت کی آواز کسی انسان کی آواز تھی۔ البتہ آواز نکالنے والے نے پہلے بہت مشق کی ہو گی۔“

عنبر نے سپاہی سے اجازت چاہی اور سائیکل اُٹھا کے چل پڑا۔ وہاں سے وہ تھانے پہنچا اور تھانیدار سے اُن لوگوں کے پتے لیے جو اس مکان کے اندر گئے تھے اور جنھیں وہاں بھُوت نظر آیا تھا۔ ان میں سے بات چیت کے لیے اس نے جس آدمی کو منتخب کیا وہ زمرّد خان کے مکان سے کچھ فاصلے پر رہتا تھا۔ اس کا نام غفور تھا۔

غفور بہت اچھا آدمی نکلا۔ اس نے عنبر کی باتوں کا جواب کافی تفصیل سے دیا۔ اس نے عنبر کو بتایا کہ اس شام وہ اور اس کا ایک پڑوسی اپنے گھر کے سامنے والے برآمدے میں بیٹھے ریڈیو پر زراعتی پروگرام سُن رہے تھے کہ وہاں سے دو آدمی گزرے جنھوں نے انھیں بتایا کہ زمرّد خان کا مکان ڈھایا جا رہا ہے، جس کے بارے میں یہ سنا گیا ہے کہ وہاں بھُوت رہتا ہے۔

جس آدمی نے خاص طور پر بھُوت کا ذکر کیا تھا، اس کی اپنی آواز بھاری سی تھی اور اس نے بڑا اشتیاق ظاہر کیا کہ وہ سب مل کر مکان دیکھنے چلیں۔ غفور نے ٹارچ لی اور اس کے پڑوسی نے اپنے گھر سے ٹارچ لے لی۔ وہاں آنے والے دونوں آدمیوں کے ہاتھوں میں پہلے سے ٹارچیں موجود تھیں۔

جب یہ چاروں آدمی مکان کی طرف چلے تو راستے میں اسی علاقے کے دو اور آدمی انہیں ملے۔ بھاری آواز والے آدمی نے انہیں بھی غفور اور اس کے پڑوسی کی طرح ساتھ چلنے پر رضامند کر لیا اور یوں یہ ننھا سا قافلہ آسیبی مکان دیکھنے چل پڑا۔

”کیا اس بھاری آواز والے شخص نے واقعی یہ کہا تھا کہ وہاں بھُوت نظر آئے گا؟“ عنبر نے سوال کیا۔

”ہاں، اس نے کچھ اسی قسم کی بات کی تھی۔“ غفور نے کہا۔ ”اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ مکان میں اس رات سچ مُچ بھُوت نظر آ گیا۔“

”کیا آپ ان دونوں آدمیوں کو جانتے ہیں جو آپ کے پاس آئے تھے؟“

عنبر نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ میں نے ان میں سے ایک کو دیکھا تھا۔ کہاں دیکھا تھا؟ یہ یاد نہیں۔ اسی طرح دوسرے آدمی کو شاید ایک آدھ بار کہیں دیکھا ہو۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ دوسرے آدمی کو میں نے پہلے کہیں بھی نہیں دیکھا تھا۔“

”جب آپ مکان میں پہنچے تو وہاں کتنے لوگ تھے؟“

”چھ تھے۔ دو ہم، دو ہمیں بُلانے والے، اور دو ہمیں راستے میں ملے۔ کُل چھ تھے۔ مگر کسی نے شاید مکان میں یہ بھی کہا تھا کہ ہم سات تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے چلتے چلتے راستے میں کوئی اور آدمی بھی ہمارے ساتھ ہو لیا ہو؟“

”آپ نے دو لڑکوں کا ذکر۔۔۔“

"اوہو! یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔" غفور نے کہا۔ "دو لڑکے بھُوت کی چیخ سُن کر بھاگے اور راستے میں ہم سے ٹکرا گئے۔ وہ بھی زمرّد خان کے مکان میں ہمارے ساتھ تھے لیکن تعداد میں لوگوں کی بتا رہا ہوں۔ لڑکے تو لوگوں میں شامل نہیں تھے نا۔"

اسی لمحے غفور کا کتّا اندر سے آیا اور عنبر کو دیکھ کر بھونکنے لگا۔ غفور نے اسے خاموش کرایا تو عنبر پوچھنے لگا۔ "غفور صاحب، کیا یہ کتّا بھی آپ کے ساتھ تھا؟"

"ہاں، یہ بھی میرے ساتھ ہی تھا۔" غفور نے کہا۔ "میں اسے روزانہ شام کو گھمانے پھرانے لے جاتا ہوں، اس دن میں نے سوچا کہ اس بہانے ہی اس کی سیر ہو جائے گی۔"

عنبر بڑی توجّہ سے کتّے کو دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک چُست چالاک کتّا تھا، وہ اس طرح منہ بنا رہا تھا جیسے عنبر پر ہنس رہا ہو۔ لیکن عنبر کا دماغ کتّے ہی کے بارے میں کچھ سوچ رہا تھا۔ اس نے کہیں پڑھا تھا، شاید کسی جاسوسی ناول

میں کہ کتّا اپنی چھٹی حِس بیدار رکھتا ہے اور اگر کوئی خطرناک چیز اس کے سامنے آجائے تو وہ بُری طرح بھونکتا ہے۔ یہی بات رہ رہ کر اس کے دماغ میں گھوم رہی تھی۔ اس نے غفور سے اجازت لی اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گھر جا کر وہ سیدھا اپنے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں گیا۔ خالہ اور خالو واپس آ چکے تھے۔ خالہ نے اس سے چائے کا پوچھا مگر اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ کچھ ضروری باتوں میں اُلجھا ہوا ہے، اس لیے سیدھا اپنے کمرے میں جا رہا ہے۔

ہیڈ کوارٹر میں جاتے ہی اس نے ٹیپ چلائی۔ چیخ کی آواز، لوگوں کی گفت گو، بھاری آواز والے آدمی کی باتیں اور کتّے کے بھونکنے کی آواز کا نہ ہونا۔ یہ سب باتیں اب اس کی سمجھ میں آتی جا رہی تھیں۔ بھُوت یقیناً کوئی خطرناک چیز نہ تھا ورنہ کتّا ضرور بھونکتا۔ اسی طرح بھُوت کی چیخ دراصل اس ساتویں آدمی کی چیخ تھی جو بعد میں مکان کے اندر گیا۔ وہ شخص مکان

کے باہر جھاڑیوں میں سے چیخا اور سب لوگ مکان میں چلے گئے تو وہ بھی خاموشی سے ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔

کچھ باتیں صاف ہوتی جارہی تھیں۔ عنبر نے کوئٹے کی کال بُک کرائی تاکہ وہ عاقِب اور نسیم کو اب تک کی کارگزاری بتاسکے۔

"کیا تم نسیم اور عاقِب کے دوست عنبر بول رہے ہو؟" بیگم پروین نے پوچھا۔ ان کی آواز کچھ بھرائی ہوئی تھی۔

"ہاں، بیگم صاحبہ۔" عنبر نے کہا۔ "میں ان دونوں سے کچھ بات کرنا۔۔۔۔"

بیگم پروین نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "عاقِب اور نسیم کہیں غائب ہو گئے ہیں اور ساتھ ہی میرا بیٹا چندا بھی۔ تم فوراً یہاں پہنچو۔ میں تمہارے خالو جان کو بھی ٹیلی فون کر رہی ہوں؟"

عجیب دشمن

وادی کے واقعات بڑی تیزی کے ساتھ تبدیل ہوئے تھے۔ ہیروں کی گمشدگی کی اِطّلاع اس وقت پولیس کو دے دی گئی تھی اور پولیس سارا دن زمرّد منزل میں لوگوں کے بیان لیتی رہی تھی۔

بیگم پروین کو جوں ہی ہیروں کی گمشدگی کا بتایا گیا، اس نے فوراً عاقِب، نسیم اور چندا کو اپنے پاس بُلایا اور چندا سے کہا۔ ”میں نہیں چاہتی کہ پولیس تم لوگوں سے بلا وجہ پوچھ گچھ کرے، اور میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ صبح کو

جب اخباری نمائندے یہاں آئیں تو وہ نسیم اور عاقِب سے طرح طرح کے سوالات کریں۔ اس طرح بھُوت کا قصّہ سارے شہر میں پھیل جائے گا۔"

"میں جانتا ہوں، امّی۔" چندا نے کہا۔ "اور میں یہ بھی سمجھ گیا ہوں کہ ہمیں اب کیا کرنا ہے۔"

"کیا؟"

"ہم لوگ صبح سویرے وادی کی سیر کو نکل جائیں گے، تاکہ اخباری نمائندوں سے بچے رہیں۔ شام ڈھلے گھر واپس آجائیں گے۔"

"ہاں، یہ ترکیب مناسب رہے گی۔ میں ملازم کو جگا کر تم لوگوں کے کھانے کی تیّاری کا حکم دیتی ہوں۔ ٹفن بکس میں کھانا لے کر تم لوگ صبح سویرے نکل جانا۔ مگر بیٹے تم اپنے نئے دوستوں کا دھیان رکھنا۔ یہ اس جگہ اجنبی ہیں۔ کہیں راہ نہ بھول جائیں۔ ان کے ساتھ ہی رہنا۔"

"جی امّی۔" چندا نے کہا۔ "میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ آپ فکر نہ

کریں۔ نسیم اور عاقِب میرے ساتھ ہی رہیں گئے۔ اور ہم تینوں بڑا اچھا وقت گزاریں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"بیگم صاحبہ، آپ پریشان نہ ہوں۔ ہم یہ تو نہیں کہیں گے کہ ہم بہت زیادہ عقل مند ہیں، مگر اتنا ضرور ہے کہ ہم کوئی خاص بے وقوف نہیں۔ اور چندا مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔"نسیم نے کہا۔

"ہاں، ہم تھوڑی ہی دیر میں ایک دوسرے کے ساتھ گھُل مل گئے ہیں کہ یوں لگتا ہے جیسے برسوں کی جان پہچان ہو۔" عاقِب نے کہا۔

"مجھے تم تینوں پر اعتماد ہے۔" بیگم پروین نے کہا۔ "اس لیے تو تمھیں سارا دن باہر رہنے کے لیے کہہ رہی ہوں۔"

صبح کو تینوں نے چپکے چپکے ناشتا کیا اور پھر اصطبل میں پہنچ گئے۔ چندا نے اُن سے پوچھ لیا تھا کہ وہ دونوں گھڑ سواری جانتے ہیں یا نہیں۔

"میں تو اچھی طرح جانتا ہوں، مگر نسیم بس بیٹھنا ہی جانتا ہے۔" عاقِب نے

اسے بتایا۔

"کوئی بات نہیں۔" چندا نے جواب دیا۔ "اتنا ہی کافی ہے۔ ایک تو ہمارے گھوڑے سدھے ہوئے ہیں، اور دوسرے ہمیں اِدھر اُدھر گھومنا ہی تو ہے کوئی گھڑ دوڑ میں تو حصّہ لینا نہیں؟"

اس بات پر تینوں دوست ہنس پڑے۔

اصطبل میں جا کر تینوں نے ایک ایک گھوڑا لیا اور جلد ہی وادی کے اس حصّے کے پاس پہنچ گئے جہاں انگوروں کے باغ تھے۔

"اگر اس بھُوت کا کوئی علاج نہ کیا گیا تو آدھے باغ اس سال ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔" چندا نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" نسیم نے پوچھا۔ "میری امّی نے قرض لے کر کچھ باغ خریدے ہیں۔ اگر قرض وقت پر ادا نہ ہوا تو باغ بیچنے پڑیں گے۔ ایک ہیروں کی امّید تھی، سو وہ بھی چوری ہو گئے۔"

”مگر ان کے بارے میں تو کچھ جھگڑا بھی ہے۔“ عاقِب نے کہا۔

”اچھا؟“ چندا نے حیرت ظاہر کی۔ ”مجھے نہیں معلوم۔“

”تم تو کراچی تھے۔ تمہیں کیسے معلوم ہوتا۔“ نسیم نے کہا۔ ”وہ اصل میں قادر صاحب کہہ رہے تھے کہ انہیں ٹیلی فون آیا تھا اور کسی نے انہیں بتایا تھا کہ ہیروں کی ملکیّت کا ایک اور دعوے دار بھی ہے جو عن قریب اپنا ثبوت پیش کرے گا۔“

”یہ تو اور بھی برا ہوا۔“ چندا نے کہا۔

”تم فکر نہ کرو۔“ عاقِب نے کہا۔ ”ہم غور کر رہے ہیں اور ہم سے زیادہ ہمارا تیسرا سُراغ رساں عنبر غور کر رہا ہے۔ وہ یقیناً کچھ نہ کچھ کرے گا۔“

”ہاں، اگر بھُوت کی اصلیّت معلوم ہو جائے تو مزدور ڈٹ کر کام کریں گے اور ڈریں گے بھی نہیں۔ ورنہ یہ لوگ بھاگ جائیں گے اور ہماری فصل خراب ہو جائے گی۔“ چندا نے کہا۔ ”انگور تو بہت نازک پھل ہوتا ہے۔“

"تم گھبراؤ نہیں چندا۔" نسیم نے کہا۔ "جیت تمہاری ہی ہو گی۔ جو چکّر تم اور تمہاری امّی کے خلاف چل رہا ہے، ہم تینوں سُراغ رساں اس کا پول کھول کر ہی دم لیں گے۔ ہم تم لوگوں کا پورا پورا ساتھ دیں گے اور اللہ نے چاہا تو فتح تمہاری ہو گی۔ تم اُداس نہ ہو۔"

اب دن نکل آیا تھا اور دور سے ایک جیپ آتی دکھائی دے رہی تھی۔ چند ہی لمحوں میں جیپ اُن کے پاس پہنچ کر رُک گئی۔ اس میں جبّار سوار تھا۔ وہ اُترا اور اُداس لہجے میں کہنے لگا۔ "بہت برا ہوا، مزدور ہمیں پوری تلاش کے باوجود نہ مل سکے۔ نہ جانے کہاں چلے گئے۔ انہیں بہت ڈھونڈا گیا مگر بے کار۔ اِدھر بستی کے ہر مزدور تک یہ بات پہنچ چکی ہے کہ زمرّد خان کا بھُوت اب زمرّد منزل سے نکل کر انگوروں کے باغ میں آ گیا ہے۔ رات ان مزدوروں کی تلاش میں ہم جس سے بھی ملے، اس نے ہمیں چھوٹتے ہی یہ خبر سُنائی کہ بھُوت اب انگوروں کے باغ میں آ گیا ہے۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" چندا نے اداس لہجے میں کہا۔ "اب کیا ہو گا؟"

"ہو گا کیا۔" جبّار نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ہماری فصل غارت ہو جائے گی۔ مزدوروں کی پوری بستی میں خوف ہراس پھیلا ہوا ہے۔ ہر مزدور یہی کہتا ہے کہ جان ہے تو جہان ہے۔ شاید ہی کوئی مزدور آج کام پر آئے۔"

"پھر؟"

"بس، اب میں بیگم صاحبہ کو یہ بات بتانے جا رہا ہوں۔ جیسے وہ فرمائیں گی، ویسے ہی کیا جائے گا۔" جبّار نے جیپ میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو اس بات کا افسوس ہے کہ میں مینجر ہوتے ہوئے اس کم بخت بھُوت کے سامنے بے بس ہو گیا ہوں۔ میں نے ان باغوں میں اپنا خون پسینا بہایا ہے۔ انگوروں کے گچھوں کی طرف دیکھو۔ مجھے ان سے محبت ہے۔ اسی لیے مجھ سے ان کی تباہی نہیں دیکھی جاتی۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔" اس نے جیپ سٹارٹ کی۔ تینوں لڑکے جیپ کو زمرّد منزل کی طرف جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

جیپ اُن کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی تو وہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور

اِدھر اُدھر کرنے لگے۔ اب خاصا دن چڑھ آیا تھا۔ باغوں میں کہیں کہیں ایک آدھ مزدور بڑی بے دِلی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ چندا افسردہ تھا اور عاقِب اور نسیم اسے بہلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے اسے بتایا کہ ہم نے کس طرح ضیغم کے بھُوت کا پول کھولا تھا۔ ہمیں پوری امید ہے کہ زمرّد کے اس سبز بھُوت کا پول بھی کھولنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"ارے ہاں۔" چندا کو ایک دم ایک خیال آ گیا۔ "تم ہمارے مہمان ہو۔ آؤ، میں تمہیں یہاں کی ایک قابلِ دید چیز دکھاؤں۔"

"وہ کیا؟"

"ایک غار۔" چندا نے کہا۔ "یہ ایک ایسا غار ہے جس کے اندر کبھی کوئلے کی ایک کان دریافت کی گئی تھی۔ یہاں سے کوئلا تو کبھی کا نکالا جا چکا مگر اس کے اندر بنے ہوئے راستے موجود ہیں۔ لمبی لمبی سرنگیں۔ پیچ در پیچ راستے۔ اندر ہی اندر۔"

"اُفّوہ!" نسیم نے خوشی سے کہا۔ "وہاں تو ضرور چلیں گے۔"

"پکنک کا اصل مزا آ جائے گا۔" عاقِب نے کہا۔ "یوں بھی ایسی جگہ جانے کا اپنا ایک خاص مزا ہوتا ہے۔" وہ رُکا اور کچھ سوچ کر بولا۔ "لیکن چندا، سُرنگ میں اندھیرا ہو گا؟"

"ہاں، یہ بات مجھے معلوم ہے۔" چندا نے کہا۔ "اس لیے میں اپنی ٹارچ لے آیا تھا۔"

"میری جیب میں بھی نہ جانے ٹارچ کیوں چلی آئی۔" نسیم نے جیب پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "پنسل ٹارچ۔ چلو نہ ہونے سے تو بہتر ہے۔"

"مگر میرا کیا ہو گا؟" عاقِب نے کہا۔ "ایسی جگہ پر تو ہر ایک کے پاس ایک ایک ٹارچ ہونی چاہیے۔"

"ٹھہرو، مجھے ایک ترکیب سوجھی ہے۔" چندا نے کہا۔ "جبّار کے پاس جاتے ہیں۔ وہ اب تک واپس آ گیا ہو گا۔" اس کے پاس ایک ٹارچ ہے اور

اس وقت دن ہے۔ ہم اس سے یہ ٹارچ لے لیں گے اور شام کو اُسے واپس دے دیں گے۔"

"تو آؤ، چلیں۔" عاقِب نے کہا۔

"ہم سب کے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ بس ایک چلا جائے۔" نسیم بولا۔

"یہ ٹھیک ہے۔" عاقِب بولا۔ "تم مجھے ایک رقعہ لکھ دو۔ میں رُقعہ جبّار کو دے کر اس سے ٹارچ لے لوں گا۔"

یہ ترکیب چندا کو پسند آئی۔ اس نے کاغذ کا ایک پرزہ جیب میں سے نکالا اور اس پر جبّار کے نام رُقعہ لکھ دیا۔ عاقِب نے رُقعہ جیب میں ڈالا اور گھوڑا دوڑا دیا۔ "تم لوگ یہیں کھڑے رہنا۔ میں ابھی گیا اور ابھی آیا۔"

"ٹھہرو! ایک بات سنتے جاؤ۔" چندا نے عاقِب کو پکارا۔

"کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟" عاقِب نے گھبرا کر گھوڑے کی لگام کھینچی۔ گھوڑا رُک گیا۔

”اگر جبّار کام کر رہا ہو، یا کسی آدمی سے بات چیت میں مصروف ہو تو یہ رُقعہ باغ میں رکھے ہوئے اوزاروں کے بکس میں ڈال دینا اور جبّار کی ٹارچ نکال لانا۔ اگر جبّار مصروف ہو اور اس کے کام میں دخل دیا جائے تو اسے غصّہ آ جاتا ہے۔“

”اچھا، سمجھ گیا۔“ عاقِب نے کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

جلد ہی وہ باغوں کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے دُور سے ہی دیکھ لیا کہ جبّار واپس آ چکا ہے۔ وہ باغ کے دوسرے کنارے پر کھڑا کسی مزدور سے باتیں کر رہا تھا۔ عاقِب نے باغ میں رکھے ہوئے ٹول بکس کو کھول اور اس میں سے ٹارچ نکال لی۔ پھر اس نے رقعہ بکس میں رکھا اور اس کے بعد گھوڑے پر سوار ہوا اور ایڑ لگا دی۔ ”ٹھہرو!“ اچانک جبّار اس کے پیچھے دوڑا۔ عاقِب نے گھوڑا روکنے کی کوشش کی، مگر مُڑ کر دیکھا تو جبّار پستول تانے کھڑا تھا اور چیخ رہا تھا۔ ”رُک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔“

ہیروں کا سُراغ

عاقِب نے ایک لمحے میں فیصلہ کر لیا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور گھوڑا ہوا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ نسیم اور چندا کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے چند فقروں میں پوری بات بتا دی۔

"آؤ، میرے پیچھے پیچھے آؤ۔" چندا نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ نسیم اور عاقِب بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ دُور انہیں جیپ سٹارٹ ہونے کی ہلکی سی

آواز آئی۔ ان کے پاس ابھی کچھ وقت تھا۔ چندا سمجھ چکا تھا کہ جبّار صرف ٹارچ لینے پر اتنا ناراض نہیں ہو سکتا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اسے کسی بات پر قائل کرنا پتھر میں جونک لگانے جیسا ناممکن کام تھا۔ لٰہذا اگر وہ پستول نکال کر ان کے تعاقب میں چل ہی پڑا تھا (جس کی وجہ ابھی تک ان تینوں میں سے کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی) تو اس سے جان بچانے کا ایک ہی طریقہ تھا اور وہ یہ کہ وہ کہیں چھُپ جائیں اور چندا یہی کرنے جارہا تھا۔

جلد ہی اس کا رُخ ایک چھوٹے سے پہاڑی جنگل کی طرف ہو گیا۔ یہ جنگل چھپنے اور جبّار کا وقت ضائع کرنے میں ان کی خاصی مدد کر سکتا تھا۔

چندا گھوڑے پر سے اُترا اور اس کی ایک مخصوص آواز سُن کر گھوڑا واپس چلا گیا۔ عاقِب اور نسیم بھی گھوڑے پر سے اُتر پڑے اور چندا نے اُن کے گھوڑے بھی اسی طرح واپس بھیج دیے۔

"اس طرح جبّار کو غلط فہمی ہو جائے گی اور وہ کافی دیر تک جنگل کے اندر نہ

آ ئے گا۔ اتنے میں ہم دوڑتے دوڑتے دوسری طرف سے واپس چلے جائیں گے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ یہ جنگل بڑا نہیں۔" عاقِب نے کہا۔

"ہاں، یہ چھوٹا سا جنگل ہے۔ صرف اسی ڈھلان تک محدود ہے۔ جب تک جبّار جنگل میں داخل ہو گا، ہم ذرا دور جا کر نیچے اُتر چکے ہوں گے اور شاید غار تک پہنچ چکے ہوں۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" نسیم نے کہا۔ "غار کا دھیان تو جبّار کو آنا مشکل ہے۔"

"ایک بات اور بھی ہے۔" چندا نے کہا۔

"وہ کیا؟" عاقِب نے پوچھا۔

"غار کے اندر سرنگوں میں جانے کے بعد ایک جگہ ایسی آتی ہے جہاں سرنگ بظاہر بند ہو جاتی ہے۔"

”بظاہر سے کیا مطلب؟“ نسیم نے پوچھا۔ ”کیا سرنگ سچ مچ بند نہیں ہوتی؟“

”نہیں۔“ چندا نے کہا۔ ”سچ مُچ بند نہیں ہوتی۔ وہاں ذرا سا ایک طرف کو ہٹ کر ایک تنگ سا راستہ ہے۔ بس یوں سمجھ لو جیسے دو کواڑ بند ہوں اور ان کے درمیان ذرا سی درز یا شگاف ہو۔ ہم اس درز میں سے گزر کر انگوروں کے باغ کے پاس واقع ایک اور غار میں نکل سکتے ہیں۔“

”یہ تو بہت اچھا ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”اس طرح ہمیں ایک اور فائدہ ہو گا۔ اگر جبّار ہمارا سُراغ لگا کر سرنگ میں گھس بھی جائے تو وہاں سے گزر کر دوسری طرف نہ جا سکے گا۔“

”بالکل۔“ چندا نے کہا۔ ”وہاں جو راستہ ہے، اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا، اور اگر پتا لگ بھی جائے تو وہاں سے تمہارے اور میرے جیسے دُبلے پتلے لڑکے ہی گزر کر دوسری طرف جا سکتے ہیں۔ کیوں کہ وہ درز بہت ہی تنگ ہے۔“

وہ یہ باتیں کرتے کرتے مڑے اور دائیں طرف کو چلنے لگے۔ تھوڑی دور چل کر وہ پھر دائیں طرف کو مڑے اور اب گویا واپس جانے لگے۔ جنگل میں ہونے کے باعث یہ پتا نہیں چل رہا تھا کہ جبّار اور اس کے ساتھی بھی وہاں آ چکے ہیں یا نہیں۔

جب وہ خاصی دیر بعد غار میں پہنچ گئے تو انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب وہ سُرنگ میں داخل ہو رہے تھے اور پُرسکون تھے۔ اگر جبّار غار کے تک پہنچ بھی گیا تو سرنگ میں آنا اس کے لیے مشکل تھا۔ اس کے پاس ٹارچ نہیں تھی۔ اس کی ٹارچ تو عاقِب لے آیا تھا۔ اور اس ٹارچ کی خاطر ہی تو اتنا ٹنٹا پیدا ہوا تھا۔ اُدھر اگر وہ سُرنگ اندھیرے میں طے کر بھی لیتا تو آخری درز میں سے نکلنا اس کے لیے ناممکن تھا۔ اتنی دیر میں کہ جبّار واپس جاتا، تینوں لڑکے زمرّد منزل پہنچ سکتے تھے۔

یہ سوچ کر تینوں سُرنگ میں داخل ہو گئے۔ ذرا آگے جا کر اندھیرا شروع ہو گیا تو چندا نے کہا۔ ”ٹارچیں جلا لو۔“

چندا کی ٹارچ جل گئی۔

نسیم کی پنسل ٹارچ جل گئی۔

مگر عاقِب جبّار کی جو ٹارچ لایا تھا، وہ نہ جلی۔ اس نے اسے کھول کر دیکھا تو تینوں یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس میں سیل کے بجائے کپڑے کی ایک چھوٹی سی پوٹلی رکھی ہوئی ہے۔

"جلدی کھولو اسے۔" نسیم نے کہا۔ "جبّار کی ناراضگی کا راز اس میں بند ہے۔

پوٹلی کھلتے ہی یہ راز کھُل گیا۔

پوٹلی کے اندر ہیرے رکھے ہوئے تھے۔

پکڑے گئے

”اس کا مطلب ہے کہ ہیرے جبّار نے چرائے ہیں۔ چندا نے غصّے سے سُرخ ہوتے ہوئے کہا۔

”ہاں، ہو سکتا ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کام میں کوئی اور بھی شریک ہو۔ البتہ چھُپانے کی جگہ کی داد دینی پڑتی ہے۔“

”واقعی۔“ نسیم نے کہا۔ ”بھلا کہاں ٹارچ اور کہاں ہیرے۔“

”اور ذرا تصوّر تو کرو۔“ چندا نے کہا۔ ”ہیرے کہاں چھپائے گئے تھے اور

پولیس کہاں تلاش کر رہی ہے۔ جبّار کا خیال ہو گا کہ جب معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے گا تو پھر اطمینان سے انہیں بیچ دے گا۔"

"اور ظاہر ہے کہ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہمیں اس ٹارچ کی دن دہاڑے ضرورت پڑ جائے گی۔" عاقِب نے کہا۔

"اسی لیے وہ ٹارچ لے جاتے دیکھ کر تمہارے اوپر پستول تان کر کھڑا ہو گیا تھا۔" نسیم نے عاقِب سے کہا۔ پھر بولا۔ "اچھا، اب ہم سُرنگ میں چلتے ہیں۔"

"آؤ۔" چندا نے کہا۔ "عاقِب، تم میرے پیچھے پیچھے آؤ اور نسیم تمہارے پیچھے۔ اس طرح تمہارے آگے بھی روشنی ہو اور پیچھے بھی، اور تمہیں ٹارچ کی کمی محسوس نہ ہو گی۔"

عاقِب دونوں کے درمیان چلنے لگا اور اس طرح اسے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ابھی انہوں نے ذرا سا سفر طے کیا تھا کہ عاقِب نے جیب سے چاک نکالا اور ایک جگہ سوالیہ نشان بنا دیا۔ یہ اس چیز کی علامت تھی

کہ دونوں سُراغ رسانوں میں سے ایک ضرور یہاں سے گزرا ہے۔ یہ ان کا وہ نشان تھا جو وہ ایک دوسرے سے جدا ہو کر لگاتے تھے تا کہ اُن کا ساتھی انہیں تلاش کرتا کرتا اگر وہاں آ پہنچے تو اسے نشان دیکھتے ہی صحیح سُراغ مل جائے۔ کہیں کہیں نسیم اپنے چاک سے نشان بناتا گیا اور کہیں عاقِب۔

ان کا خیال تھا کہ اگر وہ راستے سے بھٹک جائیں تو خود بھی ان نشانوں کی مدد سے واپس آ سکتے ہیں۔ اور اگر ان کے ساتھ کوئی حادثہ ہو جائے تو عنبر اِن نشانوں کی مدد سے ضرور اُن تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ چندا نے سوالیہ نشان بنانے کی وجہ پوچھی تو نسیم اور عاقِب نے اسے بھی پوری بات سمجھا دی۔

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔“ چندا نے کہا۔ ”لیکن ہو سکتا ہے کہ اس سے جبّار کو ہمارے پیچھے آنے میں مدد ملے۔“

”پھر ہم ایسے کرتے ہیں کہ اپنے نشان کے ساتھ ساتھ درمیان میں غلط سمت کی طرف تیر کے نشان ڈالتے جائیں۔“ نسیم نے کہا۔

”ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”اس سے ہمارے ساتھی کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے ہمارا نشان کیا ہے۔ جبّار سوالیہ نشان کے بجائے تیروں کے غلط سلط نشانوں میں اُلجھ کر رہ جائے گا۔“

”چلتے چلتے وہ کئی جگہ مُڑے۔ یہ سُرنگ آگے کئی راستوں میں بٹتی چلی گئی۔ چندا یہاں کئی بار آ چکا تھا، اس لیے اس کو صحیح راستے کی نشانیاں یاد تھیں۔ وہ ہر موڑ پر دماغ پر زور ڈالتا اور صحیح راستے پر ہو لیتا۔ ایک آدھ دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ان لوگوں کو واپس لوٹ کر دوسری طرف مُڑنا پڑا۔

بعض جگہ راستہ اتنا تنگ ہو جاتا کہ انہیں گھٹنوں کے بل رینگ کر گزرنا پڑتا۔ کہیں کہیں راستے میں اُوپر کی چٹان کو روکنے کے لیے لکڑی کا ایک شہتیر لگایا گیا تھا۔ کہیں کہیں راستے میں انہیں پتھروں کے چھوٹے بڑے ٹکڑے پڑے ہوئے ملے۔ یہ ٹکڑے چھت میں سے گرے تھے۔

نسیم اور عاقِب راستے میں جگہ جگہ سوالیہ نشان بناتے چلے اور چندا انہیں صحیح راستے پر لے جاتا رہا۔ ایک جگہ جا کر تین راستے ان کے سامنے آ گئے۔

چندا نے آس پاس کے پتھروں کو غور سے دیکھا اور پھر دائیں طرف مُڑ گیا۔ عاقِب اور نسیم بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ تھوڑی دور جا کر یہ راستہ بند ہو گیا کیوں کہ اس جگہ بڑے بڑے پتھر پڑے ہوئے تھے۔

یکایک چندا کی ٹارچ کی روشنی ایک ڈھانچے پر پڑی جو آدھا پتھروں کے نیچے دبا ہوا تھا اور آدھا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اِسے انسانی ڈھانچا سمجھ کر پہلے تو ڈرا لیکن جب اسے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک گدھے کا ڈھانچا ہے۔

"بے چارہ گدھا! اس کے پاؤں اور پیٹ پر پہاڑی پتھر آ گرے۔ اس لیے کوئلا نکالنے والے لوگ اسے یہاں چھوڑ گئے ہوں گے۔" چندا نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔

گدھے کے سر کا کاسہ صاف پڑا نظر آ رہا تھا۔

"یہ راستہ صحیح نہیں ہے۔" چندا نے کہا۔ "جہاں ہم دائیں ہاتھ کو مُڑے تھے، وہاں ہمیں بائیں ہاتھ کو مُڑنا چاہیے تھا۔"

انہیں وہاں سے واپس مُڑنا پڑا اور تب وہ پھر ایک مرتبہ صحیح راستے پر چل پڑے۔ اب چندا تیز تیز چل رہا تھا۔

”بس، اب وہ تنگ، درز آنے والی ہی ہے، جس کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا۔“ اس نے کچھ آگے جانے کے بعد کہا۔

”ہم اس میں سے گزر بھی سکیں گے؟“ عاقِب نے چندا سے پوچھا۔

”ہاں ہاں۔“ چندا نے کہا۔ ”تم دونوں اس میں سے یقیناً گزر سکتے ہو۔ البتّہ بڑی عُمر کا آدمی نہیں گزر سکتا۔ ایسا آدمی اگر گزرنے کی کوشش کرے گا تو درمیان میں ہی پھنس جائے گا۔“

ابھی وہ ذرا ہی دُور چلے ہوں گے کہ آگے راستہ بند نظر آیا۔ درز والی جگہ آ گئی تھی۔ چندا نے ٹارچ کی روشنی سامنے نظر آنے والے پتھروں پر ڈالی اور روشنی کو کبھی دائیں بھی بائیں ہلانے لگا۔ جلد ہی درز نظر آ گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے دو چٹانیں جادُو کے زور سے ایک دوسرے کے پاس دھکیل دی گئی ہوں، یا ایک چٹان کے، جادو کے زور سے دو ٹکڑے کر دیے گئے ہوں اور

دونوں کے درمیان ذراسا فاصلہ رکھا گیا ہو۔

”یہ ہے درز۔“ چندا نے درز پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ ”پہلے میں اس میں سے گزروں گا، پھر عاقِب گزرے گا اور سب سے آخر میں نسیم۔“

یہ درز ایسی تھی کہ اس میں سے صرف پتلا دبلا لڑکا رینگ کر دوسری طرف جا سکتا تھا۔ عاقِب اور نسیم حیرت اور پریشانی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کے اندر گھُپ اندھیرا تھا۔

”کیا تمھیں واقعی یقین ہے کہ اس میں سے نکلنے کے بعد ہم انگوروں کے باغوں کے پاس پہنچ جائیں گے۔“ نسیم نے شُبہ ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

”یقین؟“ چندا نے کہا۔ ”میں دو تین بار اس میں سے پہلے گُزر چکا ہوں۔“ اس نے عاقِب اور نسیم کو درز کے سامنے کھڑا کیا اور بولا۔ ”دیکھو، اس درز میں سے دوسری طرف کی تازہ ہوا آ رہی ہے۔“

عاقِب اور نسیم نے واقعی دوسری طرف کی تازہ ہوا اپنے چہروں پر محسوس

کی۔

”اچھاتو میں چلتاہوں۔“ چندا نے کہا۔”جب میں دوسری طرف پہنچ جاؤں گا تو ٹارچ تین بار جلاؤں بجھاؤں گا۔ یہ اس بات کی نشانی ہو گی کہ میں دوسری طرف چلا گیاہوں۔ تب عاقِب درز عبور کرے۔ میں سامنے سے اسے روشنی دکھاؤں گا۔ نسیم پُشت سے۔ جب عاقِب بھی دوسری طرف پہنچ جائے گا تو میں پھر ٹارچ سے تین بار اشارہ کروں گا تب نسیم چل پڑے گا۔ اچھا بھئی، میں چلا۔“

چندا اپنی بات پوری کر کے شگاف میں گھس گیا۔ شگاف اتنا تنگ تھا کہ اسے سمٹ کر چلنا پڑ رہا تھا۔ ٹارچ کی روشنی اس کے جسم کے پیچھے چھُپ گئی اور نسیم اور عاقِب ادھر کھڑے اس کے دوسری طرف پہنچ کر اشارہ دینے کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔

ایک سیکنڈ گزرا، پھر دوسرا، پھر تیسرا۔

ایک منٹ گزرا، پھر دوسرا، پھر تیسرا۔

چندا کو غائب ہوئے مشکل سے چار منٹ گزرے ہوں گے کہ درز کے دوسری سمت سے اس نے ٹارچ سے اشارہ دیا۔ مگر یہ چار منٹ نسیم اور عاقِب کو چار سال سے بھی لمبے لگے۔

اشارہ ملتے ہی عاقِب نے ہیروں والی ٹارچ نسیم کو دے دی اور خود روانہ ہو گیا۔ نسیم نے اس کی پشت پر روشنی ڈالنا شروع کی اور چندا نے اس کے سامنے کی طرف سے روشنی پھینکی۔ تھوڑی دیر میں عاقِب بھی نظر آنا بند ہو گیا۔ نسیم نے اپنی ٹارچ بجھا دی اور عاقِب کے اشارے کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے ہیروں کی ٹارچ اپنی پیٹی میں اُڑس لی۔

عاقِب کر کچھ زیادہ ہی وقت لگا۔ تب دوسری طرف چندا کی مدھم سی آواز آئی۔ ”نسیم مت۔۔۔۔۔“

نسیم چوکنّا ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ ورنہ وہ یہ کہتا کہ نسیم، مت آؤ۔ وہ چند لمحے کے لیے رُکا۔ شاید کوئی اشارہ ملے۔ ٹارچ کا اشارہ ملا، مگر اب کے اس طرح نہیں جس طرح طے ہوا تھا۔ ٹارچ صرف دو بار

جلائی اور بجھائی گئی اور وہ بھی جلدی جلدی۔

نسیم سمجھ گیا کہ عاقِب اور چندا پکڑے گئے ہیں اور ان کو پکڑنے والا آدمی ٹارچ سے اشارہ کر رہا ہے تا کہ نسیم بھی اس کے چنگل میں پھنس جائے۔

اس نے ایک لمحہ سوچا، فیصلہ کیا اور واپس مُڑ گیا۔

گدھے کی کھوپڑی

یہ وقت تھا جب عنبر اپنے خفیہ ہیڈ کوارٹر سے وادی میں بیگم پروین کو ٹیلی فون کر رہا تھا اور وہ اسے بتا رہی تھیں کہ نسیم، عاقِب اور چندا کہیں گُم ہو گئے ہیں۔

”کیسے گُم ہو گئے۔“ عنبر نے اپنا ہونٹ نوچنا شروع کر دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کا دماغ اس وقت پورا پورا کام کر رہا ہے۔

”وہ صبح گھوڑوں پر سوار ہو کر سیر سپاٹے کو گئے تھے کہ گُم ہو گئے۔ ان کے

گھوڑے خالی ملے۔ انگوروں کے باغوں سے ذرا دُور چٹانوں کے اندر خالی کان ہے۔ میرا مطلب ہے کہ ایسی کان جس میں سے کبھی کوئلا نکالا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ تینوں اس میں گھومنے پھرنے گئے ہوں اور راستہ بھول گئے ہوں۔" بیگم پروین نے بتایا۔

"آپ ایسا کریں کہ اتنے میں وہاں پہنچوں، آپ کان میں اپنے آدمی انہیں تلاش کرنے کے لیے بھیج دیں۔" عنبر نے کہا۔ "اور انہیں ہدایت کر دیں کہ۔۔۔"

"آدمی تو دوپہر سے انہیں تلاش کر رہے ہیں اور اب شام ہونے کو آئی ہے۔"

"پھر آپ کچھ اور آدمی بھیجیں۔" عنبر نے کہا۔ "اور انہیں ہدایت کر دیں کہ کان کی سرنگوں میں چاک سے بنے ہو سوالیہ نشان غور سے دیکھیں۔"

"سوالیہ نشان؟"

”ہاں، سوالیہ نشان۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہمارا یہ خفیہ نشان ہے۔ آپ اپنے آدمیوں سے کہہ دیں کہ جہاں کہیں بھی مختلف رنگوں کے چاک کے سوالیہ نشان دیکھیں، وہیں پر انہیں تلاش کریں۔ وہ جہاں کہیں سے بھی گزرے ہوں گے، انھوں نے چاک کے نشان ضرور بنائے ہوں گے۔“

”بہت اچھا۔“ بیگم پروین نے کہا۔ ”میں سب کو ابھی یہ ہدایت کرتی ہوں۔ تم اگلے ہی ہوائی جہاز سے یہاں آجاؤ۔ میں یہاں کے بُکنگ آفس کو تمہارے بارے میں ٹیلے فون کر رہی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ وہ کہیں کان کی سرنگوں میں راستہ بھول گئے ہیں۔ اچھا، خدا حافظ۔“

”خدا حافظ۔“ عنبر نے ٹیلے فون بند کر دیا۔

اس کا خیال بیگم پروین کے خیال سے مختلف تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ان تینوں کو کسی نے جان بوجھ کر غائب کیا ہے۔ اس کا یہ خیال غلط نہیں تھا۔

عین اسی وقت چندا اور عاقِب لکڑی کے ایک بڑے بکس میں بند، ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے، منہ پر کپڑا لپٹا ہوا، ایک جیپ میں چلے جا رہے تھے۔

کہاں؟ یہ انہیں معلوم نہ تھا۔ بس درز سے نکلتے ہی دو مضبوط آدمیوں نے انہیں آناً فاناً دبوچ لیا تھا اور پکڑ سکڑ کر ایک جیپ میں ڈال دیا تھا۔ البتّہ وہ یہ جان گئے تھے کہ وہ جبّار کی جیپ میں ہیں۔

اُدھر نسیم نے واپسی کا سفر شروع کیا تو ان سوالیہ نشانوں نے اس کی بڑی مدد کی۔ وہ انہیں دیکھتے ہوئے راستہ طے کرتا چلا گیا۔ اسے پتا چلا کہ اب وہ ان تین راستوں کے ملنے کی جگہ پر واپس پہنچ گیا ہے۔ ایک طرف کو جا کے اسے گدھے کی کھوپڑی اور پہاڑی کے نیچے دبا ہوا ڈھانچا نظر آیا تھا۔

اچانک اسے ایک خیال سوجھا۔ اب کہ چندا اور عاقِب دونوں پکڑے جا چکے تھے، تو یہ بھی ممکن تھا کہ وہ خود بھی پکڑا جائے۔ پیچھے سے تو آدمی آ نہیں سکتے تھے، کیوں کہ درز میں سے صرف پتلے دُبلے لڑکے ہی نکل کر آ سکتے تھے۔ لیکن یہ ممکن تھا کہ وہ سرنگ میں سے نکل جب غار میں پہنچے یا جب غار سے باہر نکلے تو وہ لوگ وہاں بھی موجود ہوں۔

تب ہیرے بھی دُشمنوں کے قبضے میں چلے جائیں گے۔ نسیم نے سوچا کہ

ہیرے اُسے چھپا دینے چاہئیں تا کہ اس کے پکڑے جانے کی صورت میں ہیرے دشمنوں کے ہاتھ نہ آ سکیں۔

وہ گدھے کی کھوپڑی والی سرنگ میں گھس گیا۔ کھوپڑی کے پاس پہنچ کر اس نے ٹارچ میں سے رومال نکالا، اسے کھولا، ہیروں کی لڑی کو گدھے کے دونوں جبڑوں کے درمیان چھُپا دیا اور واپس چل پڑا۔ تراہے پر پہنچ کر اس نے کچھ چھوٹے چھوٹے پتھّر اور کنکریاں اُٹھائیں اور انہیں رومال میں رکھ دیا اور ٹارچ بند کر دی۔ اس کے بعد وہ پھر واپسی کے راستے پر ہو لیا۔

ذرا آگے جا کر اس نے ٹارچ کو ایک جگہ چھپا دیا اور اس پر ارد گرد سے چند پتھّر چُن کر رکھ دیے تا کہ ایسا نظر آئے کہ ٹارچ بڑی احتیاط سے چھپائی گئی ہے۔ یہ کام کرنے کے بعد اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب آگے چل کر اگر وہ پکڑا بھی جائے گا تو ہیرے محفوظ رہیں گے۔ ٹارچ بھی دشمنوں کے ہاتھ لگ گئی تو بھی ہیرے محفوظ رہیں گے۔

اب وہ بہت تھک چکا تھا۔ اتنا عرصہ سرنگ میں چل چل کے اس کا دم گھٹنے

لگا تھا۔ وہ جلد از جلد باہر نکلنا چاہتا تھا تا کہ کھُلی ہوا میں سانس لے سکے۔
خُدا خدا کر کے وہ غار تک پہنچا۔ غار کی ہوا تازہ تھی اس لیے وہاں جا کر اسے
طبیعت میں کچھ سکون محسوس ہوا۔ چند منٹ وہ وہاں بیٹھا رہا۔ جب ذرا
طبیعت بحال ہوئی تو باہر نکلا۔

لیکن باہر نکلتے ہی دو مضبوط ہاتھوں نے اسے جکڑ لیا اور کسی نے اس کے مُنہ
پر زور سے ہاتھ رکھ دیا۔ چند لمحوں بعد اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا
چھا گیا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

پراسرار بوڑھا

عاقِب اور چندا کو ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ ان کے ہاتھ پاؤں کھول دیے گئے اور کمرے میں تنہا چھوڑ دیا گیا۔

”ہم اس وقت نہ جانے کہاں ہوں گے؟“ عاقِب نے کہا۔

”تم تو وادی میں رہتے ہو۔ شاید پہچان جاؤ کہ کون سی جگہ ہے؟“

”رہتا تو ہوں اور آس پاس کے سب علاقوں کو جانتا بھی ہوں۔“ چندا نے کہا۔ ”مگر پہلے کبھی آنکھیں بند کر کے کہیں جانے کا اتّفاق نہیں ہوا۔“

چندا نے ایسے لہجے میں بات کی کہ عاقِب کو بے ہنسی آ گئی۔ ”میرا خیال ہے ہم کسی تہہ خانے میں ہیں۔“ اُس نے آنکھیں اُوپر کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔ ”اور تہہ خانہ بھی پراسرار قسم کا ہے۔“

”یہ تم نے کیسے اندازہ کر لیا؟“ چندا نے پوچھا۔

”ایسے کہ ایک تو اس میں کھڑکیاں وغیرہ نہیں ہیں۔“ عاقِب نے کہا۔ ”اور دوسرے یہ کہ اس میں روشن دان نہیں ہیں۔“

”ہاں، تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔“ چندا نے کہا۔ ”اب ایک بات مجھے سوجھی ہے۔“

”کیا؟“

”ہم کوئٹے کے کسی تہہ خانے میں ہیں۔ اگر تم غور کرو تو تھوڑی دیر بعد اوپر سے ٹرکوں اور بسوں کے گزرنے کی آواز سنائی دے گی اور یہاں صرف کوئٹہ ہی ایسا شہر ہے جہاں ہم اتنی جلدی پہنچ سکتے تھے۔

اتنے میں دروازہ کھلا اور ایک لمبا تڑنگا آدمی، جو شکل سے مکرانی معلوم ہوتا تھا، اندر آیا اور انہیں ساتھ لے ایک اور کمرے کی طرف چلا۔ یہ کمرا خاصا بڑا اور روشن تھا اور شاید تہہ خانے کے اوپر تھا۔ کیوں کہ یہاں جانے کے لیے ان لوگوں کو ایک زینہ چڑھنا پڑا تھا۔ اس کمرے میں بہت سی بتّیاں لگی ہوئی تھیں، لمبے لمبے پردے پڑے ہوئے تھے اور ایک بوڑھا آدمی اُونچی سی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

"کہو، میرا گھر پسند آیا؟" بوڑھے نے کہا۔ اس کی آواز کافی باریک تھی۔ اس نے لمبے لمبے نارنجی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

عاقِب اور چندا نے کوئی جواب نہ دیا۔

"آگے آؤ لڑکو!" اس نے حکم دیا۔ "تم لوگ مجھے پہلے ہی بہت پریشان کر چکے ہو۔"

عاقِب اور چندا آگے بڑھے، کمرے میں سبز رنگ کا شان دار قالین بچھا ہوا تھا اور اس کے بیچوں بیچ ایک بہت بڑا شیر بنا ہوا تھا۔ دونوں لڑکے بوڑھے

کے سامنے پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے جو شاید ان ہی کے لیے بچھائی گئی تھیں۔ بیٹھنے کے بعد وہ ٹکر ٹکر بوڑھے کی طرف دیکھنے لگے۔

"تم مجھے اکبر خان کہہ سکتے ہو۔" بوڑھے نے کہا۔ "میری عمر اس وقت ایک سو سات سال ہے۔"

اس کی بات سچ ہی ہو گی۔ وہ واقعی بہت بوڑھا لگتا تھا۔ مگر ابھی اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ چندا اور عاقِب نے اپنی آنکھیں اکبر خان کے چہرے پر سے ہٹانے کی بھرپور کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

"چالاک لڑکو!" اکبر خان نے چلّا کر کہا۔ "تم ابھی تک میرا مطلب نہیں سمجھے؟ مجھے ہیرے چاہیں، ہیرے!" عاقِب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے۔ چندا نے البتّہ بڑی بہادری سے جواب دیا۔ "اکبر خان! ہمارے پاس ہیرے نہیں ہیں۔ آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"بکواس مت کرو چالاک لومڑ!" اکبر خان کو غصّہ آ گیا۔ "تم میرے ساتھ چالاکی نہیں کر سکو گے۔ تمھیں ہر قیمت پر ہیرے میرے حوالے کرنا

پڑیں گے۔"

اب عاقِب نے بھی کچھ ہمّت کی۔ "ہم سچ کہتے ہیں کہ ہیرے ہمارے پاس نہیں ہیں۔"

"پھر وہ کہاں ہیں؟" اکبر خان دھاڑا۔ وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے چندا کو گھور رہا تھا۔ "بولو!"

"چندا کو یوں لگا جیسے وہ سچ بتانے پر مجبور ہو گیا ہو۔ "ہیرے ایک ٹارچ کے اندر بند ہیں اور وہ ٹارچ ہمارے ایک تیسرے ساتھی نسیم کے پاس ہے جو اب گھر واپس جا رہا ہو گا۔ ممکن ہے اب تک وہاں پہنچ بھی چکا ہو۔"

عاقِب حیرت سے آنکھیں پھاڑے چندا کو دیکھے جا رہا تھا۔ یہ چندا کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ساری باتیں سچ سچ بتانے لگا ہے! اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ سب کیا چکر ہے!

"وہ تیسرا لڑکا تم لوگوں کے ساتھ کیوں نہ پکڑا گیا؟" اکبر خان نے عاقِب

کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں اور چندا سُرنگ ختم کر کے دوسری طرف نکلے تو وہاں ہمیں آپ کے آدمیوں نے پکڑ لیا۔ نسیم کو ہمیں ٹارچ سے اشارہ کرنا تھا، تب اس کو آنا تھا۔ جب ہم پکڑ لیے گئے تو اشارہ کون کرتا اور کیسے کرتا؟ اگر اشارہ کیا بھی ہو گا تو غلط۔ اس لیے نسیم ہوشیار ہو گیا ہو گا اور واپس چلا گیا ہو گا۔“

عاقِب فر فر بولے جا رہا تھا اور چندا اس کی طرف حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

”جبّار کو بلاؤ۔“ بوڑھے نے دروازے پر کھڑے ہے کر مکرانی سے کہا۔

”اچھا حضور۔“ یہ کہہ کر وہ آدمی بجلی کی سی تیزی سے مڑا اور چند لمحوں بعد جبّار اس کمرے میں آ گیا۔

اکبر خان نے اسے غصّے سے گھورتے ہوئے کہا۔ ”ایک تو تم مجھے ہیرے اب تک نہ پہنچا سکے اور پھر تینوں چوروں میں سے صرف دو پکڑ کر لائے۔

تیسرے کو نہ پکڑا جس کے پاس ہیرے ہیں۔" "ج۔۔۔۔ جناب۔" جبّار نے گھبرائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "ان کا تیسرا ساتھی بھی پکڑا جا چکا ہے اور وہ آپ کے حضور میں لایا جا رہا ہے۔"

"اسی لمحے دروازہ کھلا اور بے ہوش نسیم لڑھکتا ہوا بوڑھے اکبر خان کے عین سامنے آگِرا۔

"یہ رہا تیسرا چور۔" جبّار نے کہا۔

"مگر ہیرے کہاں ہیں؟" اکبر خان چلّایا۔

جبّار کے ماتھے پر گھبراہٹ سے پسینا آ گیا۔ "ان کی تلاش بھی کی جا رہی ہے۔ میرے آدمی ساری وادی میں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔"

"لعنت ہو تمہاری تلاش پر۔" اکبر خان چلّایا۔ "تم کمرے کے باہر ٹھہرو، ہیروں کا پتا میں کرتا ہوں۔"

جبّار کے باہر جانے کے بعد اکبر خان چندا سے بولا۔ "سنو! اگر تم مجھے

ہیروں کے بارے میں بتادو تو میں تمہیں بہت سا انعام دوں گا۔"

چندا نے غصّے سے کہا۔ "یہ ہیرے میری ماں کے ہیں۔ میں اپنی چیز کا سودا تم سے کروں گا۔" اُس کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا، ایک جارہا تھا۔

"تم!" اکبر خان نے عاقِب سے کہا۔ "میز پر سے جگ اُٹھا کے اپنے بے ہوش دوست کے منہ پر چھینٹے مارو۔"

عاقِب نے ایسا ہی کیا۔ نسیم نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ جب اس نے چندا اور عاقِب کو اپنے اوپر جھکے ہوئے پایا، تو ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔۔

"م۔۔۔۔م۔۔۔ میں کہاں ہوں؟" اس نے اپنے دونوں ساتھیوں سے پوچھا۔

"تم اکبر خان کے قبضے میں ہو۔" بوڑھا دہاڑا۔۔ "اور اس وقت تک رہو گے جب تک ہیروں کے بارے میں صحیح صحیح پتا نہیں بتادو گے۔"

”میں کچھ نہیں جانتا۔ کچھ نہیں جانتا۔“ نسیم چیخنے لگا۔

”خاموش!“ بوڑھے نے چلّا کر کہا۔ ”اِدھر دیکھو!“

عاقِب اس کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔

”ٹارچ کہاں ہے؟“ بوڑھے نے پوچھا۔ ”میں پوچھتا ہوں ٹارچ تم نے کہاں چھپائی ہے؟“

”سرنگ کے اندر۔“

”کون سی سرنگ میں؟“

”کوئلے کی کانوں کے اندر، کسی سرنگ میں۔“

”سرنگ میں کس جگہ؟“

”وہ جگہ تو میں وہاں جا کر ہی بتا سکتا ہوں۔“

عاقِب اور چندا نسیم کی ان باتوں پر بہت پریشان تھے۔ وہ یہ نہ جانتے تھے

کہ ہیرے تو ٹارچ میں ہیں ہی نہیں۔ وہ تو اس وقت گدھے کی کھوپڑی کے جبڑوں کے درمیان رکھے ہوئے ہیں اور بالکل محفوظ ہیں۔ مگر وہ یہ سن کر بہت پریشان ہو رہے تھے کہ نسیم انہیں ساری باتیں سچ سچ کیوں بتا رہا ہے۔

"مجھے تو یہ بوڑھا کچھ عجیب سا لگتا ہے۔" چندا نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں، لگتا تو مجھے بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ کہیں یہ جادُوگر تو نہیں؟"

"خاموش! ننّھے چوہو!" اکبر خان نے ڈانٹا۔ "ہاں نمبر تین، میں تم سے پوچھ رہا تھا کہ تم نے ٹارچ سرنگ میں کس جگہ چھپائی ہے؟"

"میں نے کہا نا کہ میں اس جگہ جا کر ہی ڈھونڈ سکتا ہوں، میرے ذہن میں اس جگہ کی کوئی خاص نشانی محفوظ نہیں۔"

"اچھا ٹھہرو، اگر تم تینوں سچ مچ وہ ہیرے تلاش کر کے مجھے دے دو تو میں تمہیں ایک۔۔۔۔"

"ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔" چندا چلّایا۔ "ہم وہ ہیرے تمہارے حوالے

نہیں کریں گے۔ وہ ہیرے ہمارے ہیں۔ وہ ہیرے میری ماں کے ہیں۔ اگر وہ ہیرے ہمیں نہ ملے تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ ہم اپنا قرض ادا نہ کر سکیں گے اور ہمارے باغ بِک جائیں گے۔"

"جانتے ہو تمہارے قرض کے کاغذات اس وقت کس کے پاس ہیں؟" بوڑھے نے کہا۔ "میرے پاس ہیں۔ اگر تم وہ ہیرے مجھے دے دو تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے باغوں میں سے بھُوت بھاگ جائے گا اور مزدور کام پر واپس آ جائیں گے۔ پھر تمہارا قرض اُتر جائے گا اور تمہیں باغ بیچنے نہ پڑیں گے۔"

"اچھا؟" نسیم بولا۔ "وہ بھُوت وغیرہ آپ کی۔۔۔"

بوڑھا ہنسا۔ "میرے پاس ایک کیا، اس جیسے کئی بھُوت ہیں۔"

"مگر تم وہ ہیرے۔۔۔۔ تمہارا ان ہیروں پر کیا حق ہے؟" یہ سوال عاقِب نے بڑی جرأت کر کے پوچھا۔

"حق؟" بوڑھا چیخا۔ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول تم نے نہیں سنا؟ میں طاقت ور ہوں۔ جبّار میرا آدمی ہے۔ اس جیسے اور بھی بہت سے لوگ میرے ملازم ہیں۔ مگر ٹھہرو! میں تمھیں بتا ہی دوں کہ وہ ہیرے میرے لیے اتنے اہم کیوں ہیں؟"

یہ کہہ کر بوڑھے نے الماری میں سے ایک بوتل نکالی۔ ایک میں سے شربت نما چیز ایک گلاس میں انڈیلی اور واپس اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔ پھر اس نے کرسی کی گدّی کا ایک کونا اُوپر اٹھایا، ایک پڑیا اس کے نیچے سے نکالی، اسے کھولا اور اس میں سے بغیر ترشا ہوا ایک ہیرا نکال کر گلاس میں ڈال دیا۔ پانی میں ہیرا اس طرح گھُل گیا جیسے کہ کبھی تھا ہی نہیں۔ تب بوڑھے نے گلاس ہاتھ میں پکڑا اور غٹ غٹ پی گیا۔

عاقِب، نسیم اور چندا حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہے تھے۔

"وہ ہیرے اس کام آئیں گے۔" بوڑھے نے کہا۔ "میں ان سب کو ایک ایک کر کے پی جاؤں گا۔"

"مگر اس سے کیا۔۔۔" چندا نے حیرت سے کہنا شروع کیا۔

بوڑھے نے آواز میں نرمی پیدا کرتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔ "بیٹے، یہ میرے اس خاص شربت میں گھول کر پینے سے عمر بڑھتی ہے۔ ایک ہیرا گھول کر پینے سے انسان کی عمر میں تقریباً چار ماہ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ زمرّد خان کے ہیروں کی تعداد اڑتالیس ہے۔ اس مطلب ہے کہ اگر میں وہ ہیرے استعمال کروں تو تقریباً سولہ سال اور جی سکتا ہوں۔ اس دوران میں شاید مجھے اور ہیرے مل جائیں۔"

لڑکے حیرت سے اس کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔

"اب تم سمجھ گئے ہو گئے کہ وہ ہیرے میرے لیے کیوں قیمتی ہیں۔" اکبر خان نے کہا۔ "وہ ہیرے میری جان ہیں۔ اور تمہارے لیے بھی جان ہیں۔ مجھے مل گئے تو میری زندگی بڑھ جائے گی اور اگر تم نے مجھے نہ دیے تو تم زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

"ہم۔۔۔ ہمیں سوچنے کے لیے کچھ وقت چاہیے۔" عاقِب نے نظریں

جھکا کر کہا۔ وہ بوڑھے جادُوگر سے نظری نہیں ملانا چاہتا تھا۔ وہ اس کی نظروں کی طاقت سے واقف ہو گیا تھا۔

اکبر خان کُرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ ”میں اور تمہارا دربان باہر جا رہے ہیں۔ کمرے کے کواڑ ہم بند کر دیں گے۔ تم پندرہ منٹ کے اندر اندر فیصلہ کر لو۔ میں ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد آ جاؤں گا۔ تمہاری زندگی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم لوگ جینا پسند کرو گے۔“

اکبر خان یہ کہتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا اور دروازہ بند ہو گیا۔

معاہدہ

"ہو سکتا ہے ہماری باتیں باہر سے سُنی جا سکتی ہوں۔" نسیم نے آہستہ سے چندا اور عاقِب سے کہا۔

"ہاں، یہ ممکن ہے۔" عاقِب نے کہا۔ "ہم یہاں اصل بات کوئی بھی نہیں کریں گے۔ ہمیں صرف وقت ضائع کرنا چاہیے۔

"لیکن تم نے ہیروں کے بارے میں سب کچھ تو بتا دیا ہے۔"

"نہیں۔" نسیم نے کہا۔ "ہیرے میں نے گدھے کی کھوپڑی میں چھپائے

ہیں۔“

یہ بات سنتے ہی چندا اور عاقِب کے چہرے کِھل اُٹھے۔ نسیم نے زور سے کہا۔
”مگر میں کہتا ہوں کہ ہمیں بتا ہی دینا چاہیے۔“

باقی دونوں اس کا مطلب سمجھ گئے۔ چندا نے بھی زور سے کہا۔ ”ہاں، اب
ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔“

”اگر ہم نے ان پندرہ منٹ میں ہیرے دینے کا فیصلہ نہ کیا تو ہم جان سے
ہاتھ دھو سکتے ہیں۔“ نسیم بولا۔

وہ تینوں زور زور سے باتیں کر رہے تھے تا کہ باہر اگر ان کی باتیں سنی جا
رہی ہوں تو وہ لوگ مطمئن ہو جائیں۔

عاقِب بولا۔ ”چندا، مجھے تو اس بات کا شُبہ بھی نہ تھا کہ تمہارے جبّار
صاحب تمہارے باغوں کی مینجری کرنے کے ساتھ ساتھ تمہارے اور
تمہارے خاندان کے ساتھ دُشمنی بھی کرتے ہوں گے۔

”جبّار!“ چندا نے غصّے سے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ”اگر میرے ہاتھ میں ہنٹر ہو تو مار مار کر اس کی کھال ادھیڑ دوں۔ ہم تینوں کو اس نے پکڑا، ہیرے اس نے چرائے، ہو سکتا ہے اکبر خان نے ناناز مرّد خان کا بھُوت بھی اسی کم بخت سے بنوایا ہو۔“

”میں تو کہتا ہوں کہ جبّار۔۔۔۔“ نسیم کچھ کہنے لگا تھا کہ عاقِب نے اس سے کہا۔ ”غصّہ کرنے سے کیا فائدہ؟ تم ہمیں یہ بتاؤ کہ تم نے ہیروں کی ٹارچ کہاں چھپائی ہے؟“

”میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے کوئی نشانی وغیرہ یاد نہیں۔“ نسیم نے کہا۔ ”بھئی، اب تو ہم تینوں اکیلے ہیں۔“ عاقِب نے کہا۔ ”اب تو ہماری بات کوئی اور نہیں سُن رہا ہے۔ ہمیں صحیح صحیح بتادو کہ تم نے ٹارچ کہاں چھپائی ہے؟“

”میں سچ کہہ رہا ہوں کہ ٹارچ میں نے سُرنگ میں ایک جگہ چھپائی ہے، مگر اس جگہ کی کوئی خاص پہچان نہیں۔ میں خود وہاں جاؤں تو شاید ڈھونڈ سکتا ہوں۔“

”اچھا، یہ تو بتاؤ کہ اکبر خان کی عمر واقعی ہیرے پینے سے بڑھ جائے گی؟“

”یہ تو خدا ہی جانے۔“

اب وہ لوگ محض پندرہ منٹ ضائع کر رہے تھے۔ آخر کار نسیم نے کہا۔
”اب تو پندرہ منٹ ہونے والے ہوں گے۔ وہ لوگ آتے ہی ہوں گے۔“

اسی وقت دروازہ کھُلا اور اکبر خان اندر آیا۔

”زہریلے مکوڑو!“ اس نے بڑی حقارت سے تینوں لڑکوں کو مخاطب کیا۔
”تم نے کیا فیصلہ کیا؟ زندگی یا موت؟“

”ہمارا فیصلہ ہے، زندگی اپنی بھی اور تمہاری بھی۔“

”شاباش!“ اکبر خان نے خوش ہو کر کہا۔ ”تم بہت اچھے لڑکے ہو۔ میں
جانتا تھا کہ تم یہی فیصلہ کرو گے۔“

تینوں لڑکے سر جھکائے کھڑے تھے۔ ”اچھا، اب بتاؤ کہ تم نے ٹارچ کہاں
چھپائی تھی؟“ بوڑھے نے نسیم کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر اس کا منہ

اُوپر اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے کہا نا کہ صحیح جگہ مجھے یاد نہیں۔"

اتنے میں جبّار اندر آ گیا۔ وہ بولا۔ "انہوں نے ہیرے کہاں چھپائے ہیں؟ کہاں رکھی ہے وہ ٹارچ؟"

"تمیز سے بات کرو۔" بوڑھے نے جبّار کو جھِڑک دیا۔ "تم مجھ سے مخاطب ہو۔"

جبّار پانی کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ "میرا مطلب، میرا مطلب تھا کہ جہاں ٹارچ چھپائی گئی ہے، وہاں سے میں لے آؤں گا۔"

"پاگل نہ بنو۔ بوڑھا دھاڑا۔ "کیا تم سرنگ میں سے ٹارچ لا سکتے ہو؟ تمہیں معلوم نہیں کہ وہاں جانے کے لیے بعض جگہ رینگنا پڑتا ہے۔"

"تب تو مجبوری ہے۔" جبّار خاموش ہو گیا۔

"اب صرف ایک ہی راستہ ہے۔" بوڑھے نے چند لمحے خاموش رہنے کے

بعد جبّار سے کہا۔ ”تم ان لڑکوں کو لے کر سُرنگ میں جاؤ گے اور غار میں انتظار کرو گے۔ درز کے دوسری طرف تمہارے لوگوں کا پہرا ہو گا اور یوں یہ لڑکے تمہیں ٹارچ لا کر دیں گے۔“

”لیکن اس میں تو خطرہ ہے۔“ جبّار نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ”اگر کسی نے مجھے لڑکوں کے ساتھ جاتے ہوئے۔۔۔“

”بے وقوف نہ بنو۔“ بوڑھا چلّایا۔ ”تمہیں جانا ہو گا۔ باقی رہے یہ لڑکے تو ان کا بندوبست میں کیے دیتا ہوں۔“

”پہلے ایک وعدہ کرنا ہو گا جناب!“ عاقِب نے کہا۔ ”ہمیں ٹارچ دینے کے بعد آزادی مل جائے گی نا؟“

”میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم تینوں جبّار کو ٹارچ دینے کے بعد آزاد ہو جاؤ گے۔“ اکبر خان نے کہا۔

”ہمیں آپ پر اعتبار ہے، جناب۔“ عاقِب نے ادب سے کہا۔ ”لیکن جبّار

پر اعتبار نہیں۔"

اسے جبّار کا پستول نکال کر اس کے پیچھے بھاگنا یاد تھا۔ اگر وہ اس لمحے گھوڑا دوڑا کر جان نہ بچاتا تو جبّار اسے مار چکا ہوتا۔ جبّار ان لوگوں سے ٹارچ لے کر انتقاماً انہیں مار بھی سکتا تھا۔ اسی لیے عاقِب نے اکبر خان سے یہ بات کہی۔

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔" بوڑھے نے کہا۔ "جبّار تمہیں آزاد کر دے گا۔"

"لیکن جناب۔۔۔۔" جبّار بولا۔

"دیکھا آپ نے؟" نسیم نے چلّا کر کہا۔ "وہ آپ کے حکم میں 'لیکن' ملا رہا ہے۔ وہ آپ کا کہنا نہیں مانے گا۔"

"جبّار!" بوڑھا دہاڑا۔ "تمہاری یہ جرأت کہ میرے حکم کے سامنے۔۔۔۔"

”نن۔۔۔۔۔ نن۔۔۔۔ نہیں سرکار۔“ جبّار بولا۔ وہ گڑگڑا رہا تھا۔ ”میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ ان لڑکوں کے آزاد ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی میں گرفتار کر لیا جاؤں گا۔ یہ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ بلکہ اگر گستاخی معاف ہو تو عرض کروں کہ آپ کی ذات کو بھی خطرہ۔۔۔۔“

”بکواس مت کرو!“ اکبر خان چیخ پڑا۔ ”جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، تو یہ حقیر چوہے چاہے سارے جہان میں میرے بارے میں ڈنکا پیٹتے پھریں، میرا بال بھی بیکا ہونے والا نہیں۔ رہے تم تو اِن کے آزاد ہونے کے پندرہ منٹ کے اندر اندر تم ہوائی اڈّے پر ہو گے۔ معقول رقم ہر مہینے ملتی رہے گی۔ سمجھ گئے؟“

”اب تو کوئی خطرہ نہیں نا؟“

”نہیں۔ لیکن اگر انہوں نے ٹارچ نہ دی تو؟“

”اس صورت میں تم ان کے ساتھ جو جی چاہے کر سکتے ہو۔ اگر یہ اپنا وعدہ پورا نہیں کرتے تو مجھے ان کی زندگی سے کوئی دل چسپی نہیں۔“

”اب ان کے لے جانے کا مسئلہ ہے۔“ جبّار نے کہا۔

”وہ میں ابھی حل کرتا ہوں۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”ادھر آؤ، او لڑکے۔“ اس نے چندا کو اشارہ کیا۔ چندا آگے آ کے کھڑا ہو گیا۔ ”تمھیں اس وقت نیند نہیں آ رہی ہے؟“ اس نے کہا۔

”نہیں“ چندا نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

”اوپر دیکھو!“

چندا نے نظریں اوپر کر لیں۔

”اب تمھیں نیند آ رہی ہے۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”اب تم تھک چکے ہو۔ تمہاری آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہیں۔ تم سونا چاہتے ہو۔ تم اونگھنے لگے ہو۔ ہاں، تم اب سونے والے ہو۔ تم اب سچ مچ سو گئے ہو۔“

عاقِب اور نسیم نے حیرت سے دیکھا کہ چندا کھڑا کھڑا سو گیا اور اس سے پہلے کہ وہ گِر پڑتا، جبّار نے اسے پکڑ کر قالین پر لِٹا دیا۔ ”ادھر آؤ!“

بوڑھے نے نسیم کو بلایا۔

تین منٹ کے اندر اندر نسیم بھی سو چکا تھا۔

”اب تم آؤ!“ بوڑھے نے عاقِب سے کہا۔

عاقِب سامنے آ کھڑا ہوا۔ دو ایک لمحوں میں اس نے بھی آنکھیں موند لیں اور اس سے پہلے کہ وہ قالین پر ِگر پڑتا، جبّار نے اسے پکڑا اور نسیم اور چندا کے پاس لٹا دیا۔

”جاؤ، اب انہیں لے جاؤ۔ غار میں جانے کے بعد ان سے صرف اتنا کہنا کہ اب تم نیند پوری کر سکے ہو جاگ جاؤ۔ یہ فوراً جاگ جائیں گے۔“

قادر، سر اور پینتالیس

”کیا ابھی تک کسی نے کوئی سوالیہ نشان نہیں دیکھا؟“ عنبر نے وادی میں پہنچتے ہی بیگم پروین سے سوال کیا۔

”نہیں، ابھی تک تو کسی نے نہیں دیکھا۔“ بیگم پروین نے جواب دیا۔ ان کے لہجے میں تھکن تھی اور وہ بہت اداس تھیں۔ میں نے ساری وادی میں اپنے ملازموں کو پھیلا دیا ہے۔ منادی بھی کروا دی ہے کہ کوئی اس قسم کا سوالیہ نشان دیکھے تو مجھے اِطّلاع دے اور سو روپے انعام حاصل کر لے۔“

”یہ سوالیہ نشانوں کا کیا چکر ہے؟“ قادر بخش نے اندر آتے ہوئے کہا۔

”اچھاتو عنبر آ گیا۔“

”جی ہاں، ابھی ابھی آیا ہوں۔“عنبر نے جواب دیا۔ اس نے دیکھا کہ قادر کالباس بھی کچھ گُنجلا ہوا سا ہے، جیسے وہ کافی دیر سے کام میں مصروف ہو۔ “

”میں نے ساری معلومات اکٹھی کر لی ہیں۔ لوگوں نے انہیں پہاڑی جنگل تک جاتے تو دیکھا لیکن پھر اس کے بعد ان کا کچھ پتا نہیں ملا۔ اور جنگل کا ہم نے چپّا چپّا چھان مارا ہے، کوئی پتا نہیں ملا لڑکوں کا۔“

”اب تم آ گئے ہو تو کچھ سوچو۔“ بیگم پروین نے عنبر سے کہا۔

”بیگم صاحبہ، میں نے اب تک کی باتوں سے کچھ نتیجے نکالے ہیں، اور میری عادت ہے کہ میں باتوں پر ترتیب سے غور کرتا ہوں۔“ عنبر نے کہا۔ ”لہٰذا آپ چند منٹ میری طرف توجّہ دیں تاکہ میں پوری تفصیل آپ کو بتا سکوں؟“

”بتاؤ۔“ بیگم نے کہا۔ ”میں سُن رہی ہوں۔“

”میں نے اس خوف ناک چیخ اور زمرّد خان کے مکان میں نظر آنے والے سبز بھُوت سے اپنی تفتیش شروع کی تھی۔ اس چیخ سے جو میرے دونوں ساتھیوں نے سنی تھی اور اس بھُوت سے جو انہوں نے مکان میں لہراتا ہوا دیکھا تھا۔

چیخ تو مکان کے باہر سے ماری گئی تھی کیوں کہ مکان کے اندر سے آنے والی چیخ باہر اتنی اونچی نہیں سُنی جا سکتی تھی۔ اب اگر آپ فرض کر لیں کہ وہ بھُوت کی چیخ تھی تو بھی بھُوت گھروں سے باہر جا کر نہیں چیخا کرتے۔ یہ بھی کوئی عقل کی بات نہیں کہ بھُوت پھرے تو مکان کے اندر اور چیخیں مارے باہر۔

اب چند لوگ مکان کے اندر گئے تا کہ بھُوت دیکھیں۔ بعض لوگوں کے کہنے کے مطابق آدمی چھ تھے اور بعض کے بقول سات۔ غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دونوں سچ کہتے تھے۔“

"کیا مطلب؟" قادر نے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ آدمی چھ تھے۔ ساتواں آدمی باہر جھاڑی کے پاس بھُوت کی آواز بنا کر چیخ رہا تھا۔ جب چھ آدمی مکان کے اندر آ گئے تو بھُوت کی آواز کی ضرورت نہ رہی۔ لہٰذا ساتواں آدمی بھی اندر چلا گیا تا کہ بھُوت کو دیکھ سکے۔"

"اسے پتا تھا کہ بھُوت ضرور نظر آئے گا؟" بیگم نے پوچھا۔

"ہاں، اس لیے کہ بھُوت اسی کو دکھانا تھا۔"

قادر اور بیگم پروین دونوں چونک پڑے۔

"اچھا، بیگم صاحبہ، میں اب چلتا ہوں۔ مجھے لڑکوں کو ڈھونڈنے کے لیے کچھ اور انتظام کرنے ہیں۔" قادر یہ کہہ کر باہر جانے لگا۔

"آپ انہیں یہیں رُکنے کو کہیں۔" عنبر نے بیگم پروین سے کہا۔ "میں لڑکوں کی فکر خود کر رہا ہوں۔"

قادر کو بیگم پروین کے کہنے پر رُکنا پڑا۔

"آپ یوں سمجھ لیں کہ گویا دو آدمیوں نے مل کر یہ کام کیا۔ ایک تو آدمی بُلا کر لایا تا کہ اُن کو بھُوت دکھایا جا سکے اور دوسرے نے بھُوت کی آواز نکالی اور بعد میں آ کر لوگوں کو بھُوت دکھایا۔" عنبر نے کہا۔ "اب میں آپ کو ان دونوں آدمیوں کی آوازیں سنواتا ہوں۔ میرا مطلب ہے ان آدمیوں کی آوازیں جنہوں نے بھُوت دیکھا تھا۔ میں ان میں سے ایک کی آواز کو پہچانتا ہوں۔ دوسرے کی آواز شاید آپ پہچان لیں؟"

یہ کہہ کر عنبر نے اپنا ٹیپ ریکارڈر چلا دیا۔ پہلے ایک خوف ناک چیخ فضا میں گونجی۔ اس کے بعد پھر باتیں۔۔۔ پھر اور باتیں۔

"قادر! یہ تو تم ہو۔" بیگم پروین نے کہا۔ "تم وہاں کیسے پہنچے؟"

"آپ یہ دوسری آواز پہچاننے کی کوشش کریں بیگم صاحبہ۔" عنبر نے کہا۔ "قادر صاحب کو تو میں بھی پہچان گیا تھا۔ لیجیے، ذرا غور سے سنیے"

بیگم پروین نے ٹیپ دوبارہ سنی اور پھر ایک آواز پہچانتے ہوئے کہا۔ ”یہ ہمارے مینیجر جبّار کی آواز ہے۔“

”اُفّوہ! یہ کیا مذاق ہے بھئی۔“ قادر نے جھنجھلاتے ہو کہا۔ ”میں اور جبّار وہاں کیسے پہنچ گئے؟ میں تو اگلے دِن وہاں پہنچا۔۔۔۔“

”جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کرو، قادر۔“ بیگم پروین نے ڈانٹا۔ ”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم میرے خلاف کسی سازش میں شریک ہو گے۔ سچ سچ بتاؤ یہ کیا معاملہ ہے؟“

”وہ۔۔۔وہ۔۔۔“

”سچ سچ بتادو گے تو شاید میں معاف کر دوں۔ سچ سچ نہ بتایا تو ابھی ٹیلے فون کر کے پولیس کے حوالے کر دوں گی۔“

قادر کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ ”مجھے معاف کر دیجیے بیگم صاحبہ۔“ اب اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ”میں سب کچھ سچ سچ بتائے دیتا ہوں۔“

"تو بتاؤ؟" بیگم پروین نے غصّے سے کہا۔

"ٹھہریے۔ پہلے ایک بات میں بتا دوں۔" عنبر نے کہا۔ "جب یہ بھُوت دیکھنے یا دِکھانے گئے تھے تو انہوں اپنے منہ پر مونچھیں لگا رکھی تھیں۔ لیکن آواز کی طرف انہوں نے کوئی خاص توجّہ نہ دی۔ وہ اس وقت بھی ایسی ہی بھاری تھی جیسے اب ہے۔"

بیگم پروین نے قادر بخش کی طرف دیکھا تو وہ بولا۔ "میں نے جبّار کے ساتھ مل کر یہ منصوبہ بنایا تھا کہ آپ سے کہا جائے کہ اور باغ خرید لیں۔ آپ کے پاس قرض لینے کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہ تھا۔ ہم نے یہ سکیم بنائی کہ جب آپ قرض لے کر اور باغ خرید لیں گی تو ہم بھُوت کا ہوّا کھڑا کر کے انگوروں کے باغوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو ڈرا دیں گے۔ اس طرح فصل خراب ہو جائے گی اور آپ کو باغ بیچ کر قرض اُتارنا پڑے گا۔ پھر آپ نے فصل کی کٹائی شروع ہونے سے چند دن پہلے ہمارے ساتھ مل کر یہ منصوبہ بنایا کہ اپنے خالو زمرّد خان کا مکان، جو پچاس سال سے بند پڑا

ہے، بیچ دیا جائے تا کہ قرض ادا ہو جائے۔ چنانچہ ہمیں بھُوت لے کر وہاں جانا پڑا۔

بھُوت کے نظر آنے سے وہاں پولیس کا پہرا بیٹھ گیا اور پھر آپ کے مکان کا سودا منسوخ ہو گیا۔ اس طرح آپ کے پاس صرف انگوروں کی فصل باقی رہ گئی، جس کے لیے میں نے اور جبّار نے باغوں میں بھُوت دکھائے۔ آپ کو بھُوت دکھانا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ آپ کو بھُوت دکھایا نہ جاتا تو آپ یقین نہ کرتیں؟

"ٹھہریے! وہ بھُوت جبّار نہیں بلکہ آپ دکھاتے تھے۔" عنبر نے کہا۔ "جب بیگم صاحبہ کو بھُوت دکھایا گیا تو، میری اِطّلاع کے مطابق، کمرے میں صرف آپ اور بیگم صاحبہ تھے۔ اس لیے یہ بھُوت صرف آپ ہی دکھا سکتے تھے۔"

"ہاں، وہ بھُوت میں نے ہی دکھایا تھا۔"

اس وقت عنبر اپنا نچلا ہونٹ نوچ رہا تھا۔ وہ قادر کی باتیں غور سے سُن رہا تھا

اور ساتھ ساتھ سوچ بھی رہا تھا۔

”اسی دوران میں اس مکان میں ہیرے نکل آئے۔ لیکن ہیروں کا مجھے ڈر نہ تھا۔ کیوں کہ مجھے ایک شخص کا ٹیلے فون اگلے ہی دن آ گیا تھا کہ ہیروں پر اس کا بھی حق ہے اور وہ جلد ہی مجھ سے ملاقات کرے گا۔“

”یہ کون تھا؟“

”یہ اکبر خان تھا۔ ایک سو سات سالہ بوڑھا، جو کوئٹہ کے قریب کسی خُفیہ مقام پر رہتا ہے۔“

”خُفیہ؟“

”ہاں، اس لیے کہ مجھے اس کے پاس آنکھوں پر پٹّی باندھ کر لے جایا گیا تھا۔ اس نے کچھ مکرانی سرداروں کے نام لیے اور زبانی زبانی یہ جتایا کہ ہیرے اس کے ہیں۔ جب میں نے ثبوت مانگا تو اس نے بتایا کہ وہ میرے راز جانتا ہے۔“

”وہ تمہارے راز کیسے جانتا تھا؟“

”جبّار اُس کا آدمی ہے۔ جبّار نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔“

”پھر؟“

”اکبر خان نے مجھے دھمکایا کہ اگر ہیرے اسے نہ دیے گئے تو وہ آپ کو میری کارستانیوں کی اِطّلاع دے دے گا۔ اس طرح میں اس کے لیے کام کرنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ ہیرے جبّار کو، اکبر خان تک پہنچانے تھے۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ جبّار۔۔۔۔ ارے کوئی ہے؟“ بیگم پروین چلّائیں۔ ”دیکھو جبّار کو میرے سامنے پیش کرو۔“

”جبّار کا تو مجھے بھی پتا نہیں۔“ قادر نے کہا۔ ”وہ دوپہر سے غائب ہے۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ جبّار چندا، نسیم اور عاقِب کو اغوا کر سکتا، یا اکبر خان کے کہنے پر انہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”کاش! ہمیں کم سے کم ایک سوالیہ نشان ہی مل جاتا۔“

اچانک دروازہ کھلا اور ایک ملازم ایک خانہ بدوش لڑکی کو ساتھ لے کر آیا۔

”یہ لڑکی آپ کو یہ بتانے آئی ہے کہ اس نے سوالیہ نشان دیکھا ہے۔“

”سوالیہ نشان؟“ بیگم پروین اُٹھ کر کھڑی ہونے لگیں۔ مگر جوڑوں کے درد کے باعث بیٹھنے پر مجبور ہو گئیں۔ ”کہاں ہے وہ سوالیہ نشان؟“

”وہ نشان ہے۔۔۔ ہے۔۔۔ ایک درخت پر۔ کنارے پر، سڑک کے۔“ خانہ بدوش لڑکی نے اٹک اٹک کے کہا۔ ”اب روپے سو دو میرے کو۔“

بیگم پروین نے فوراً سو روپے اس لڑکی کو دیے اور قادر کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”تم کیا چاہتے ہو؟“

”میں تو آپ سے معافی مانگ چکا ہوں۔“

”تو آپ میرے ساتھ چلیں۔“ عنبر اُٹھ کھڑا ہوا۔ ”ہم انشاء اللہ نسیم، عاقِب اور چندا کو ساتھ لے کر آئیں گے بیگم صاحبہ۔“

قادر نے عنبر اور خانہ بدوش لڑکی کو باہر آکر جیپ میں بٹھایا اور جیپ

سڑک کی طرف موڑ دی۔

خانہ بدوش لڑکی راستے میں ہاتھ سے اشارے کرتی رہی اور قادر اس کے مطابق چلتا رہا۔ جلد ہی وہ اس درخت کے پاس پہنچ گئے جہاں سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔ مگر وہ نشان کچھ اس طرح کا تھا:

؟سر

"سوالیہ نشان کا تو مطلب یہ ہے کہ عاقِب اور نسیم یا ان دونوں میں سے ایک یہاں سے ضرور گزرا ہے۔ مگر سر کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔" عنبر نے اپنا نِچلا ہونٹ نوچتے ہوئے کہا۔ "اچھا خیر، اب آپ اس لڑکی کو واپس جانے کے لیے کہہ دیں اور آپ میرے ساتھ آئیں۔"

قادر بخش نے ایسا ہی کیا۔

عنبر اِدھر اُدھر کچھ ڈھونڈ رہا تھا، کچھ دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے قادر سے کہا۔ "اب جیپ میں بیٹھ کر سامنے کی طرف چلیں۔ ہو سکتا ہے

سر کا مطلب سامنے کی طرف ہو۔"

ابھی وہ تھوڑی ہی دور آگے گئے تھے کہ ہوا سے ایک کاغذ اُڑ کر اُن کی جیپ کے شیشے سے ٹکرایا۔ قادر نے فوراً جیپ روک لی کیونکہ عنبر نے چیخ کر کہا تھا۔ "روکو!"

جیپ کے رُکتے ہی عنبر نے اندھا دھند چھلانگ لگائی اور جیپ کے سامنے اُڑتا ہوا کاغذ پکڑ لیا۔ یہ ایک کاپی کا کاغذ تھا۔

"ارے! یہ تو عاقِب کی لکھائی ہے۔" عنبر چلّایا۔ "دیکھیے، اس پر کیا لکھا ہوا ہے!"

قادر نے اُتر کر دیکھا۔ اس پر لکھا ہوا تھا:

۴۵

"سُرنگ۔

؟؟؟

مد

"یہاں سُرنگ کہاں ہے؟ جلدی چلو۔ انہیں مدد کی ضرورت ہے۔"

"مدد کی ضرورت کا بھی پیغام ہے اس میں؟" قادر نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ مد لکھنے کے بعد کسی مجبوری کے تحت وہ 'د' لکھ کر پورا لفظ 'مدد' نہ بنا سکا۔ ہو سکتا ہے اسے جلدی ہو، یا ہو سکتا ہے دُشمن آ گیا ہو۔ پچھلے درخت پر سوالیہ نشان کے ساتھ اس کا مطلب بھی یہی نکلتا ہے کہ وہ سُرنگ لکھنا چاہتا ہو گا کہ اِتنے میں دُشمن آ گیا۔"

"چلو سُرنگ کی طرف چلتے ہیں۔ یہاں کوئلے کی خالی کانیں سُرنگ کی شکل میں پہاڑوں کے نیچے پھیلی ہوئی ہیں۔ ہم وہیں چل رہے ہیں۔"

یہ کہہ کر قادر نے جیپ کی رفتار تیز کر دی اور جیپ ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ ۴۵ کا کیا مطلب ہے۔" قادر بولا۔

"۴۵ کا مطلب تو میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔" عنبر نے کہا۔ "مگر جلدی

سے سُرنگ کی طرف چلو۔"

زندگی یاموت؟

عاقِب اور چنداغار کے اندر آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے، اور ان کے دائیں بائیں دو آدمی کھڑے تھے جن کے ہاتھ میں لمبے لمبے چاقو چمک رہے تھے۔ تاکہ وہ بھاگنے کی جرأت نہ کرسکیں۔

اب تقریباً شام ہونے لگی تھی۔ جھٹ پٹا سا پھیل رہا تھا اور غار میں تاریکی چھانے لگی تھی۔ کافی دیر تک وہ تینوں کمبل میں لپٹے جیپ میں لیٹے رہے تھے اور شام سے ذرا پہلے غار کے پاس پہنچے تھے۔ جبّار نے اُن کو اپنے

ساتھیوں کی مدد سے غار میں لا کر لِٹا دیا اور کہا۔ ”بس، اب بہت سو چکے۔ اب تمہارے اُٹھنے کا وقت ہو گیا ہے۔“

اس نے ہر لڑکے سے یہ الفاظ الگ الگ کہے اور باری باری تینوں جاگ اُٹھے۔ تب اس نے عاقِب اور چندا کو غار میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ کانے کو کہا اور دو خطرناک آدمی اُن کی حفاظت پر مقرّر کر دیے۔ ساتھ ہی اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”دیکھو غفورے اور شکورے! اگر یہ دونوں بھاگنے کی کوشش کریں تو ان کا قصّہ پاک دینا۔“

یہ کہہ کر جبّار نسیم کو اپنے ساتھ لے کر سُرنگ میں داخل ہو گیا اور وہاں تک چلا گیا جہاں تک اس کے جسم کی موٹائی اس کا ساتھ دے سکتی تھی۔ جب سُرنگ میں رینگ کر اندر جانے کا مسئلہ پیدا ہوا تو وہ وہیں بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔ ”چلو لڑکے! تم اندر جاؤ اور ہیروں والی ٹارچ لا کر میرے حوالے کر دو۔“

نسیم جانے لگا تو جبّار نے کہا۔ ”درز میں سے نکل کر دوسری طرف جانے کی

کوشش نہ کرنا۔ دوسری طرف میرے آدمی تمہیں پکڑ لیں گے، جس طرح تمہارے دو ساتھیوں کو پکڑا تھا۔ ٹارچ لیتے ہی سیدھے واپس آ جاؤ۔“

نسیم نے ”اچھا“ کہا اور چل پڑا۔ اس کے سامنے ایک مسئلہ منہ پھاڑے کھڑا تھا۔ اگر وہ ہیرے گدھے کے جبڑوں میں سے نکال کر جبّار کو دے دیتا تو بیگم پروین کو کیا منہ دکھاتا۔ اور اگر ہیرے جبّار کو نہیں دیتا تو نہ صرف اس کی بلکہ عاقِب اور چندا کی جان بھی خطرے میں تھی۔ بہر حال وہ ایک چیز کا مالک ضرور تھا، اور وہ چیز تھی وقت۔ وہ وقت ضائع کر سکتا تھا اور اس نے یہی فیصلہ کیا کہ اس وقت ضائع کرنا چاہیے۔ ان تینوں کو گُم ہوئے خاصا وقت گزر چکا تھا۔ پوری وادی میں بیگم پروین کے آدمی انہیں تلاش کر رہے ہوں گے۔ ممکن ہے پولیس کے آدمی بھی تلاش کر رہے ہوں۔ تلاش میں کافی وقت لگتا ہے۔ اس لیے جتنا زیادہ وقت ضائع کیا جا سکے اتنا ہی اچھا ہے۔

یہ فیصلہ کر کے وہ چیونٹی کی رفتار سے آگے رینگنے لگا۔

اُدھر عاقِب چندا کو ایک راز بتانا چاہتا تھا۔ یہ راز اب تک وہ اپنے پیٹ میں چھپائے پھر رہا تھا۔ نہ تو نسیم کو بتا سکا تھا اور نہ چندا کو۔ اب نسیم تو خیر اندر جا چکا تھا لیکن محافظ ذرا پرے ہٹتے تو وہ یہ راز چندا کو بتاتا۔ مگر محافظ ایک لمحے کے لیے بھی وہاں سے نہ ہٹے اور عاقِب مناسب موقع کا انتظار کرتا رہا۔

اُدھر چندا ایک کشمکش میں مبتلا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نسیم نے جبّار کو ٹارچ لا کر دی اور جبّار نے ٹارچ کھول کر دیکھ لی تو پھر ان سب کا کیا ہو گا؟ اکبر خان کے خفیہ تہہ خانے میں تو انہوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ جبّار ٹارچ لے کر انہیں آزاد کر دے گا۔ لیکن اب جبّار بہت جھنجھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس سے یہ بعید نہ تھا کہ وہ ٹارچ کھول کر دیکھ لے۔ اور اگر اس نے ٹارچ کھول کر دیکھ لی تو پھر تینوں لڑکوں کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ اب ان کی زندگی کا دار و مدار اس بات پر تھا کہ جبّار نسیم سے ٹارچ لینے کے بعد اسے کھول کر دیکھتا ہے یا نہیں۔ وہ دل ہی دل میں دُعا کرنے لگا کہ جبّار ٹارچ کھول کر نہ دیکھے۔ اسے عاقِب کا راز معلوم نہ ہوا تھا، اس لیے وہ صرف یہی

دُعا کر سکتا تھا۔

عاقِب کو پوری اُمّید تھی کہ تھوڑی دیر میں مدد آنے والی ہے۔ مگر یہ وہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کا لکھا ہوا رقعہ عنبر پڑھ چکا تھا اور وہ اور قادر سرنگ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور ہاں، راستے میں ایک ملازم کے ہاتھ انہوں نے پولیس کو بھی غار کے دہانے پر بلوا لیا تھا۔ اب کیا ہو گا۔۔۔۔۔؟ یہ سوال ایسا تھا جو اس وقت تین ننّھے ذہنوں کو پریشان کیے ہوئے تھا۔ تینوں دوست اس سوال کو الگ الگ حل کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اور تینوں کا ذہن اس سوال کا الگ الگ جواب نکال رہا تھا۔ مگر اس سوال کا اصل حل نسیم کے پاس تھا۔ یہ بات نہ تو چندا یقین سے کہہ سکتا تھا اور نہ عاقِب کہ کہیں نسیم جان کے خوف سے ٹارچ میں پتھروں کے بجائے دوبارہ ہیرے نہ بھر دے۔ تب جان تو بچ جائے گی مگر ہیرے دشمنوں کو مل جائیں گے۔

نسیم رینگتا ہوا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ تھوڑی دور جا کر راستہ پھر چوڑا ہو گیا اور وہ کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر اور گزری تو وہ تین راستوں کے جنکشن پر آ گیا۔

اس نے سوچا، پہلے دائیں طرف جا کر یہ اطمینان کر لے کہ ہیرے محفوظ بھی ہیں یا نہیں۔ ہیرے واقعی محفوظ تھے۔ سُرنگ پار کرنے میں جگہ جگہ سوالیہ نشانوں نے اس کی مدد کی۔ جلد ہی وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں ٹارچ چھوٹے چھوٹے پتھروں کے نیچے چھُپی ہوئی تھی۔ اس نے ٹارچ پتھروں کے نیچے سے نکالی اور اسے ہاتھ میں لے کر سوچنے لگا کہ ان کی آزادی کا دار و مدار اس ٹارچ کھُلنے یا نہ کھُلنے پر ہے۔

ایک لمحے کو اسے خیال آیا کہ وہ ٹارچ جبّار کو دینے کے بجائے یہیں کہیں پھینک دے اور خود درز میں سے نکل کر دوسری طرف آزاد دنیا میں چلا جائے۔ جبّار اس دھمکی کا کہ اُدھر بھی اس کے آدمی پہرا دے رہے ہیں، نسیم کو اعتبار نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ انہیں غائب ہوئے اب اتنی دیر ہو چکی ہے کہ چپّے چپّے پر بیگم پروین کے آدمی اُن کی تلاش میں پھر رہے ہوں گے۔ ایسے میں جبّار کا کوئی آدمی باقاعدہ پہرا نہ دے سکتا تھا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ درز میں نکل کر دوسری طرف چلا جائے۔

وہ یہ سوچ کر چند قدم واپس بھی چلا مگر پھر ایک جھٹکے کے ساتھ رُک گیا۔ اگر وہ واپس نہ پہنچا تو چندا اور عاقِب کے ساتھ جبّار کیا سلوک کرے گا؟ یہ سلوک کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ اس سلوک کا خیال آتے ہی اسے جھرجھری آگئی اور وہ واپس جبّار کی طرف چل پڑا۔ اب وہ تیز تیز چل رہا تھا، اور چاہتا تھا کہ جو کچھ بھی ہو وہ تینوں دوست مل کر سہیں۔

جبّار کو اس کے واپس آنے کی آہٹ سنائی دی تو اس نے چیخ کر کہا۔ ”جلدی آؤ! تم نے پہلے ہی کافی دیر لگا دی ہے۔“

آخر نسیم اس کے پاس پہنچ گیا۔

”لاؤ یہ ٹارچ۔“ جبّار نے ٹارچ اس کے ہاتھ سے جھپٹ لی، ہاتھ میں لے کر اس نے اس کا وزن محسوس کیا پھر جیب میں ڈال لی۔

نسیم نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اب خطرہ ٹل گیا ہے۔

لیکن دراصل خطرہ ابھی ٹلا نہیں تھا۔ جبّار کوئی گیارہ قدم چلا ہو گا کہ اس

نے رُک کر ٹارچ جیب میں سے نکالی اور اسے اچھالتے ہوئے بولا۔ ”تم لوگ ضرورت سے زیادہ چالاک ہو۔ کہیں مجھ سے کوئی دھوکا نہ کر رہے ہو۔“

یہ کہہ کر اس نے ٹارچ کو کھول کر دیکھا۔ اس میں رومال موجود تھا۔

نسیم کا دل پوری تیزی سے دھڑک رہا تھا!! جبّار نے ایک جھٹکے سے رومال باہر نکالا اور اسے کھول کر دیکھنے لگا۔ اُسی لمحے نسیم بھاگ کھڑا ہوا۔ جبّار اُس کے پیچھے بھاگا۔ وہ اب دیکھ چکا تھا کہ اس کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔

نسیم کافی پھُرتیلا تھا، مگر اس کی پھُرتی کا اسے کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ غار میں پہنچتے ہی چاقوؤں والے پہرے داروں نے اُسے پکڑ لیا۔

جبّار کا منہ غصّے اور نفرت سے سیاہ ہو گیا تھا۔ ویسے بھی اب شام ڈھل چکی تھی اور رات کا اندھیرا چھانے لگا تھا۔ وہ تو ملازموں نے ٹارچ جلا رکھی تھی ورنہ یہ لوگ شاید ایک دوسرے کو دیکھ بھی نہ سکتے۔

"تم۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔" جبّار نے کہا۔ "صبح جو سورج مشرق سے نکلے گا، وہ تم نہیں دیکھ سکو گے۔"

غفورے اور شکورے نے چندا اور عاقِب کے ٹھوکر مار کر کہا۔ "اٹھو!"

وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور بے بسی کے ساتھ نسیم کی طرف دیکھنے لگے۔

"ہاتھ اُوپر اُٹھالو اور آگے چلو!" جبّار دہاڑا۔

نسیم، چندا اور عاقِب اس طرح غار سے باہر نکلے کہ اُن کے ہاتھ اُوپر اُٹھے ہوئے تھے۔ دائیں طرف غفورا، بائیں طرف شکورا کھلے ہوئے چاقو لیے ہوئے، اور پیچھے پیچھے جبّار۔ اُس نے پستول تان رکھا تھا۔

چھٹکارا

نسیم، عاقِب اور چندا چُپ چاپ غار کے دہانے کی طرف چل پڑے۔ ان میں سے صرف عاقِب کو کچھ ہونے کی توقع تھی۔

اور جو کچھ ہونے کی توقع تھی، وہ بہت جلد ہونے والا تھا۔ جوں ہی وہ غار کے دہانے پر پہنچے، بے شمار ٹارچوں نے اُن کی آنکھوں کو چکاچوند کر دیا۔

"خبر دار کوئی بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ پورے علاقے میں پولیس کا جال بچھا ہوا ہے۔ جو بھاگے گا، اسے گولی مار دی جائے گی!" یہ پولیس کے

افسر کی آواز تھی۔

غفورا اور شکورا تو فوراً ہار مان گئے۔ انہوں نے اپنے چاقو زمین پر پھینک دیے۔ لیکن جبّار نے اچانک اپنے آگے کھڑے ہوئے نسیم کو دبوچ لیا اور پستول کی نال اُس کی گردن پر رکھتے ہوئے گرج کر بولا۔ "اگر کسی نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو اس لڑکے کو گولی مار دوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے اُس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ سپاہی اُسے دیکھتے رہے مگر وہ گولی چلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

"مجھے جانے دیا جائے۔" جبّار نے گرج کر کہا۔

پولیس افسر نے سپاہیوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اسے جانے دو۔ وہ راستے سے ہٹ گئے۔

جبّار نے دوڑ لگا دی اور قریبی پہاڑی جنگل میں داخل ہو گیا۔

عنبر نے قادر سے کہا۔ "میں ابھی آتا ہوں" اور دائیں سمت کو دوڑنے لگا۔

اس کا پروگرام یہ تھا کہ جنگل میں دوسری طرف سے داخل ہو اور کسی نہ کسی طرح نسیم کو جبّار کے چُنگل سے چھڑُا لے۔ وہ جانتا تھا کہ جبّار نسیم کو اس وقت تک نہیں مارے گا جب تک اسے ہیرے نہ مل جائیں۔ اور یہ کام پولیس کی موجودگی میں نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا جبّار نسیم کو لے کر کہیں چھُپنے کی کوشش کرے گا تاکہ پولیس کے جانے کے بعد اسے ہیرے لانے پر مجبور کرے۔ عنبر اسی وجہ سے جنگل میں جا رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ جبّار جنگل میں ہی کہیں چھُپے گا۔

اس واقعے کے کوئی آدھ گھنٹے بعد، جب عنبر جنگل کی خاک چھان رہا تھا، اس نے ایک جگہ ایک شاخ ٹوٹی ہوئی دیکھی جس کی شکل کچھ کچھ سوالیہ نشان سے ملتی جلتی تھی۔ اُس نے اُسے اٹھالیا اور اسی طرف چل پڑا۔ ذرا آگے جا کے اُسے چاک کا ایک ٹکڑا ملا۔ وہ سمجھ گیا کہ نسیم کو اسی طرف لے جایا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے جبّار ایک آدھ منٹ کے لیے مُڑا ہو۔ تھوکنے کے لیے یا کسی اور عرض سے اور اِسی اثنا میں نسیم نے لکڑی کی نازک ٹہنی کو

سوالیہ نشان کی طرح موڑ کر ڈال دیا ہو۔ باقی رہا چاک تو وہ پھینکنا بھی اتنا مشکل نہ تھا۔

عنبر جنگل میں دائیں طرف کو گھوم گیا اور کچھ دُور چل کر تیز تیز قدم سے چلنے لگا۔ پھر وہ بائیں ہاتھ مُڑا اور اس کے بعد پھر دائیں ہاتھ۔ اب وہ خاصا تیز چل رہا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ نسیم اور جبّار کے اس جگہ پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچ جائے، جہاں سے وہ گزرنے والے تھے۔ اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسے ہلکی ہلکی آہٹ نزدیک آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ جھپٹ کر ایک درخت پر چڑھ گیا اور پتّوں میں اس طرح چھپ کر بیٹھ گیا کہ وہ آنے والے کو دیکھ سکتا تھا، لیکن آنے والا اسے نہ دیکھ سکتا تھا۔

پولیس بھی غافل نہ تھی۔ عاقِب اور چندا کو تو جیپ میں بٹھا کر زمرّد منزل بھجوا دیا گیا تھا اور پولیس کے سپاہی جنگل میں پھیل گئے تھے۔ پولیس افسر کا منصوبہ یہ تھا کہ گھیرا آہستہ آہستہ تنگ کر کے جبّار کو پکڑ لیا جائے۔

عنبر اور پولیس دونوں اپنی اپنی تجویز پر عمل کر رہے تھے۔ مگر انہیں ایک

دوسرے کی تجویز کا صحیح علم نہ تھا۔

جوں ہی جبّار درخت کے نیچے سے گزرا، عنبر نے چھلانگ ماری اور اس کے کندھوں پر سوار ہو گیا۔

جبّار اِس اچانک حملے سے بوکھلا گیا اور اس کا پستول ایک جھٹکے سے دُور جا گرا۔ نسیم کو حالات سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے پلٹا اور جبّار کے پیٹ میں مکے مارنے لگا۔ اُدھر عنبر اُس کی گردن پر سوار اُس کے بال نوچ رہا تھا۔ جبّار آگے بڑھ کر پستول اُٹھانا چاہتا تھا، مگر دونوں لڑکوں نے اُسے اتنی مُہلت ہی نہ دی۔

اب عنبر جبّار کے کندھوں سے اُتر آیا تھا۔ وہ اور نسیم جبّار پر تابڑ توڑ مکے برسا رہے تھے۔ اچانک چاروں طرف سے سپاہی نکل آئے اور پولیس افسر کی آواز گونجی۔ ”اب تم بھاگنے میں کامیاب نہ ہو سکو گے۔ جنگل میں چاروں طرف پولیس موجود ہے!“

”یہ لیجیے، آپ کا مجرم!“ عنبر نے جبّار کو آگے دھکیلتے ہوئے کہا۔

”شکریہ!“ نسیم نے کہا۔ ”تم اور یہاں؟“

”میں کافی دیر سے یہاں آیا ہوا ہوں۔ البتّہ جنگل میں عین وقت پر پہنچا۔ اور ہاں، تمہاری سوالیہ ٹہنی اور چاک نے میری بڑی مدد کی۔“ عنبر نے کہا۔

نسیم مسکرانے لگا۔ ”ہاں، ایک بار جبّار چند لمحے کے لیے مُڑ کر پیچھے دیکھنے لگا تھا۔ میں نے فوراً ایک ٹہنی توڑ لی۔ جب اس نے مجھے جھڑکا تو میں نے ٹہنی پھینک دی۔ لیکن اس مختصر وقفے میں مَیں اُسے سوالیہ نشان کی طرح موڑ چکا تھا؟“

”اور وہ چاک بھی تم ہی نے گرایا تھا؟“

”ہاں۔ مجھے یہ خیال تھا کہ عاقِب ضرور پولیس کے کے ساتھ جنگل میں آئے گا اور ٹہنی اور چاک دیکھ کر سمجھ جائے گا کہ ہم آگے جا رہے ہیں۔ ویسے، اب عاقِب اور چندا کہاں ہیں؟“

”وہ دونوں بیگم پروین کے پاس زمرّد منزل میں ہیں۔“ یہ جواب پولیس افسر نے دیا۔ ”اور تم بھی اب وہاں ہی چلو کیوں کہ بیگم پروین تمہارے بارے میں بھی پریشان ہوں گی۔“

”چلیے۔“

جبّار کو پولیس کی جیپ میں بٹھا کر حوالات بھیج دیا گیا۔ قادر کو بیگم پروین پہلے ہی معاف کر چکی تھیں، اس لیے پولیس نے اسے وعدہ معاف گواہ بنا لیا۔

نسیم اور عنبر پولیس کی جیپ میں زمرّد منزل پہنچے، وہاں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ بیگم پروین نے سب سے پہلے خدا کا شکر ادا کیا۔ عاقِب اور چندا بھی اُٹھ کر باری باری ایک دوسرے سے گلے ملے۔ چندا اور عنبر کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا گیا۔ سب ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے۔

”مگر عنبر، پولیس سُرنگ کے منہ والے غار پر کیسے پہنچی؟ کیا تم لائے تھے

اس کو؟" نسیم نے پوچھا۔ "لایا تو میں ہی تھا مگر تمہارے کان میں جانے کی اِطّلاع ہمیں عاقِب نے دی تھی۔"

"عاقِب نے؟"

"ہاں، عاقِب نے۔" عنبر نے کہا۔

عاقِب کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"وہ کیسے؟"

"وہ اس طرح۔" عنبر نے بتایا کہ "جب میں اور قادر سوالیہ نشان کی تلاش میں نکلے تو پہلے ہم نے خانہ بدوش لڑکی کا بتایا ہوا درخت پر سوالیہ نشان دیکھا۔ اس کے بعد ہم سمجھ گئے کہ تم لوگ وہاں سے گزرے ہو۔ تب ہم نے آس پاس گھوم کر دیکھا تو کچھ فاصلے پر ایک کاغذ ملا۔ جب میں نے وہ کاغذ اُٹھا کر دیکھا تو اس پر عاقِب کی لکھائی میں یہ درج تھا:

سُرنگ

؟؟؟

مد

درخت والے نشان پر لفظ ''سر'' بھی لکھا تھا۔ اس مطلب یہاں واضح ہو گیا۔ یعنی سُرنگ۔ پھر تین سوالیہ نشان یہ ظاہر کرتے تھے کہ یہ ہم تینوں سُراغ رسانوں میں سے ایک نے لکھا ہے۔ 'مد' کا مطلب ہم نے ذرا سی کوشش سے سمجھ لیا کہ 'مدد' لکھنے کی کوشش کی ہے اور جلدی میں 'ر' لکھے بغیر ہی کاغذ پھینک دیا گیا ہے۔ اس طرح ہم نے پولیس کو بھی اِطّلاع دے دی کہ تم لوگ سرنگ میں لیے جائے جارہے ہو اور مدد کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی میں اور قادر صاحب بھی وہاں پہنچ گئے۔''

''اور عین وقت پر پہنچے۔'' نسیم نے کہا۔ ''اگر تم لوگ چند منٹ اور وہاں نہ پہنچتے تو نہ جانے ہمارا کیا ہوتا؟''

"مگر عاقِب، یہ اس کاغذ کے اوپر ۴۵ کا ہندسہ کیوں لکھا ہوا ہے؟" عنبر نے پوچھا۔ "اس طرح کا تو ہم نے کوئی بھی خفیہ نشان مقرّر نہیں کیا ہے۔"

"یہ کوئی خفیہ نشان نہیں۔" عاقِب ہنسنے لگا۔ "یہ تو میری کاپی کے ورق کا نمبر تھا۔ میں نے اپنی نوٹ بُک نکالی اور ایک ایک ورق پھاڑ کر اس پر وہی پیغام لکھتا چلا گیا۔ ہمیں ایک جیپ میں لے جایا گیا تھا جسے جبّار چلا رہا تھا۔ میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے پیغام نیچے پھینک دیتا تاکہ کوئی اسے دیکھ لے تو ہمیں مدد مل جائے۔ تمہارے ہاتھ وہ پیغام لگا جو میں نے صفحہ نمبر ۴۵ پر لکھا تھا۔"

عاقِب نے جیب سے ایک کاپی نکالی جس کی صرف جلد باقی تھی۔ "یہ رہی وہ نوٹ بُک جس کے سارے کاغذوں پر میں نے پیغام لکھ کر اُڑا دیے۔"

"مگر پیغام پر نمبر لکھنے سے کیا فائدہ ہوتا؟" چندا نے پوچھا۔

"اس طرح یہ ممکن تھا کہ اگر کسی کو ہمارے ایک سے زیادہ پیغام ملتے تو وہ اُن کے نمبر دیکھ کر ہمارے راستے کا سُراغ لگا سکتا تھا۔"

”مگر ہمیں تو صرف ایک ہی پیغام ملا۔“ عنبر نے کہا۔ ”باقی سب پیغام ہوا میں اُڑ گئے۔ خیر، ہمارا کام ایک ہی پیغام سے پورا ہو گیا۔ کیوں کہ قادر صاحب نے مجھے بتا دیا تھا کہ اس علاقے میں سُرنگ صرف ایک ہی ہے۔ چنانچہ ہم نے پولیس کو بھی اِطّلاع دے دی اور خود بھی وہاں پہنچ گئے۔“

”یہ سب تو ہوا، مگر ایک بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔“ یہ بات نسیم نے کہی۔

”کیا؟“ عنبر نے پوچھا۔ ”بوڑھے اکبر خان کی نگاہوں میں کچھ عجیب سا جادُو تھا۔ جب وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا تھا تو انسان جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔ یہ تو غنیمت ہوا کہ اس نے یہ سوال ہی نہ کیا کہ ہم لوگوں نے ہیرے کس جگہ چھپائے ہیں، ورنہ شاید گدھے کی کھوپڑی کا بھانڈا ہمیں پھوڑنا پڑتا۔ مگر ہاں، میں جو بات پوچھ رہا تھا وہ یہ ہے کہ اس کی آنکھوں کے جادُو کے اثر سے میں تو سو گیا تھا، عاقِب کیوں نہ سویا؟“ نسیم نے سوال کیا۔

”ہاں، میں بھی سو گیا تھا۔“ چندا نے کہا۔ ”جب اس نے کہا کہ تمھیں نیند آ رہی ہے تو میں کوشش کے باوجود نیند پر قابو نہ پا سکا۔ پھر عاقِب اس کی نظروں کے جادُو سے کیسے بچ گیا؟“

”اسے جادُو نہیں، ہپناٹزم کہتے ہیں۔“عنبر نے بتایا۔

”میں بتاتا ہوں کہ میں کیسے جاگتا رہا۔“ عاقِب نے کہا۔ ”جب میں نے تم دونوں کو اس کے آگے کٹھ پتلیوں کی طرح ڈولتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ اس کی نظروں میں جادُو ہے۔ مجھے ہپناٹزم کا نام تو نہیں آتا تھا، مگر میں اس کی نظروں سے بچا اور جُوں ہی اُس نے پہلا فقرہ کہا، فوراً گر پڑا۔“

”اگر تم بھی سو جاتے تو ہمارا مقدر سو جاتا۔“عنبر نے کہا۔ ”تم نے واقعی صحیح سُراغ رسانوں کا سا کام کیا ہے۔“

چند سوال

جب یہ کہانی سب لوگوں کو معلوم ہو گئی تو نسیم نے عنبر سے پوچھا۔ ''ایک بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''وہ کیا؟'' عنبر نے پوچھا۔

''قادر یہ سارا چکّر کیوں چلا رہا تھا۔ اُسے جبّار کے ساتھ مل کر اور اکبر خان کا آلہ کار بن کر کیا فائدہ حاصل ہوتا؟''

''اس راز پر سے تو قادر خود ہی پردہ اُٹھا سکتا ہے۔ آؤ، چل کے اُس سے

پوچھ لیتے ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "ویسے بھی مجھے اس سے کچھ کام ہے۔"

"کیا کام ہے؟" چندا نے پوچھا۔

"مجھے اُس سے ایک ٹارچ لینی ہے جس کا وہ وعدہ کر چکا ہے۔"

"ٹارچیں تو ہم تمھیں بہت ساری لے دیں گے۔" چندا نے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔ "اتنی ڈھیر ساری۔ تم تینوں دوستوں نے ہماری جو مدد کی ہے، وہ ہم جیتے جی نہیں بھول سکتے۔ اب بھُوت بھی غائب ہو چکا ہے ہیرے بھی ماں کو واپس مل چکے ہیں اور باغوں میں مزدور بھی کام پر لوٹ آئے ہیں۔ ہمارا قرض ادا ہو جائے گا اور ہمیں معقول نفع ہو گا۔ اس طرح ہم نے جو نئے باغ قرض لے کر خریدے تھے، ہم ان کے مالک بن جائیں گے۔ اور یہ سب کچھ تمھاری وجہ سے ہوا۔ ہم تو زندگی بھر تمھارے اس احسان کا بدلہ نہیں اُتار سکیں گے۔"

"اس میں احسان کی کیا بات ہے۔" عاقِب نے کہا۔ "یہ تو ہمارا فرض تھا۔ ہمارا تو کام ہی یہی ہے۔ ہم تینوں سُراغ رساں ہیں۔ ہم نے ایک چھوٹا سا

ہیڈ کوارٹر بنا رکھا ہے اور اب تک کئی مسئلے سلجھا چکے ہیں۔ سبز بھُوت ہم سے ملاقات کرنے والا پہلا بھُوت نہیں ہے۔ پہلے ہم نیلے بھُوت سے ملاقات کر چکے ہیں جو پیانو بھی بجاتا تھا اور کھانے بھی بہت اچھے پکاتا تھا۔"

عاقِب کا اشارہ بوڑھے ایکٹر ضیغم کے بنائے ہوئے بھُوت کی طرف تھا، مگر چنداا اس سے واقف نہ تھا۔

"یہ کیا قصّہ ہے؟" اس نے سوال کیا۔ "مجھے پورا قصّہ سناؤ۔"

"یہ قصّہ تو ہم تمہیں رات کو سوتے وقت سنائیں گے۔" نسیم نے چندا سے کہا۔ "بہ شرط کہ تم رات کو سوتے میں ڈراؤنے خواب نہ دیکھو، مگر میرا وہ سوال تو بیچ ہی میں رہا جاتا ہے جس کا جواب لینے کے لیے ہم قادر کے کمرے میں جا رہے تھے۔"

"تو آؤ چلیں۔"

چاروں لڑکے قادر کے کمرے میں پہنچے ہی تھے کہ وہ کرسی سے اُٹھ کر کھڑا

ہو گیا۔ ”میں تم لوگوں کی دانش مندی کو سلام کرتا ہوں۔“

”آپ ہمیں شرمندہ کر رہے ہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”اس وقت تو ہم آپ سے ایک سوال پوچھنے آئے ہیں۔“

”کیا؟“

”آپ کو قرض ادا نہ ہونے سے کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا؟“

”واہ وا! یہاں تم لوگوں کی سُراغ رسانی نہ چلی۔ بھئی میں نے ہی ایک فرضی نام سے وہ قرض بیگم پروین کو دیا تھا۔ اب اگر قرض وقت پر ادا نہ ہوتا تو کاغذات کی رو سے میں سارے باغوں کا مالک ہو جاتا۔“ قادر نے افسردہ سا چہرہ بنا لیا۔ ”مگر اب میں اپنے کیے پر واقعی شرمندہ ہوں۔ دراصل یہ ساری سکیم جبّار کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ جب باغ میرے فرضی نام سے مجھے مل جائیں گے تو اُن میں سے ایک چوتھائی حصّہ اُس کا ہو گا۔ خیر، چھوڑو اس قصّے کو۔ میں تم سے خود ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”فرمایئے؟“ عنبر نے بڑے ادب سے کہا۔ ”مگر پہلے اپنی ٹارچ مجھے دے دیجیے، وہی ٹارچ۔“

”یہ لو۔“ قادر نے تجوری میں سے ایک پیکٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ ”اسے میں نے تمھیں انعام میں دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ مگر تم نے خود ہی اسے مانگ لیا۔ بہر حال، یہ رہا تمھارا تحفہ۔“

”بہت بہت شکریہ، قادر صاحب۔“ عنبر نے پیکٹ لے کے اس سے مصافحہ کیا۔ ”اب میں آپ کے سوال کا جواب دینے کے لیے تیّار ہوں۔“

”سوال یہ ہے کہ تمھیں یہ کیسے پتا چلا کہ بھُوت نقلی ہے؟“ قادر نے پوچھا۔

”اس کے دو جواب ہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”ایک تو یہ ہے کہ ہم بھُوتوں کو مانتے ہی نہیں۔“

”اور دوسری وجہ؟“

”دوسری وجہ یہ تھی کہ ہمیں معلوم تھا کہ وہاں جو چھے سات آدمی مکان میں جمع تھے، اُن میں سے ایک کے پاس کتّا بھی تھا اور کتّا بھُوت کو دیکھ کر بالکل نہیں بھونکا۔ اگر وہ بھونکتا تو اس کا مطلب تھا کہ کمرے میں خطرے کی کوئی شے موجود ہے۔ کتّے اور بلّی کی یہ خاصیت ہم نے سُراغ رسانی کے ایک ناول میں پڑھی تھی کہ یہ دونوں جانور خطرہ جلد ہی بھانپ جاتے ہیں اور ایک خاص آواز میں اس کا اظہار کرتے ہیں۔ جب میں نے وہ ٹیپ بار بار سُنی اور کتّے کے بھونکنے کی آواز نہ آئی تو سمجھ گیا کہ بھُوت میں کوئی خطرناک بات نہ تھی۔ یعنی وہ بے چارہ بے ضرر سا بھُوت تھا۔“

چاروں لڑکے زور زور سے قہقہہ مار کر ہنسنے لگے اور قادر خود بھی ”بے ضرر“ بھُوت کے لفظ کا مزہ لیے بغیر نہ رہ سکا۔

بھُوت کی واپسی

وادی سے واپس آنے سے پہلے عنبر نے بھی چندا، نسیم اور عاقِب کے ساتھ غار اور سُرنگ کی سیر کی۔ بس وہ اس شگاف میں سے نہیں گزرا۔ کہنے لگا ”اس درز یا شگاف میں سے تو آدمی تبھی گزر سکتا ہے کہ جب پیچھے واپس جانے میں جان کا خطرہ ہو۔“ درز واقعی بڑی تنگ تھی۔

اس کے بعد چاروں لڑکے جنگل کی سیر کو بھی گئے۔ اب کوئی خطرہ نہ تھا۔ پولیس اکبر خان کو تلاش کر رہی تھی اور جلد ہی وہ بھی پکڑا جانے والا تھا۔

وادی سے واپس آتے ہی تینوں سُراغ رسانوں اپنے ہیڈ کوارٹر میں میٹنگ کی۔ وہ تینوں اپنی اپنی کارروائی تفصیل کے ساتھ ایک دوسرے کو بتا رہے تھے کیوں کہ اب وہ فارغ تھے۔

اچانک انہیں گھر میں سے عنبر کی خالہ کی ڈری ڈری اور سہمی سی آواز آئی۔ ”بھُو۔۔۔۔ بھُو۔۔۔۔۔ بھُوت!“ عاقِب اور عنبر ہیڈ کوارٹر سے نکل کر خالہ کے کمرے کے پاس پہنچے تو انہیں دھڑام کی آواز آئی۔ وہ دوڑ کر کمرے میں داخل ہوئے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ خالہ فرش پر بے ہوش پڑی ہیں۔ انہیں آس پاس کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جسے بھُوت کہا جا سکے۔ عنبر نے جلدی جلدی پانی کے چھینٹے ان کے منہ پر مارے۔ چند لمحوں میں وہ ہوش میں آ گئیں اور ایک دم پھر چلائیں۔ ”وہ۔۔۔۔ وہ بھُوت!“ اُن کا اشارہ چھت کی طرف تھا۔

نسیم اور عاقِب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہی سبز بھُوت خالہ کے کمرے کی چھت پر چمٹا ہوا تھا۔ مگر عنبر حیران نہ ہوا۔ وہ مسکرایا اور بولا۔ ”اب یہ

بھُوت میرے قبضے میں ہے، خالہ جان۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں ابھی اسے یہاں سے بھگادوں گا۔" یہ کہہ کہ وہ ایک کونے میں گیااور پلنگ کے پائے کے پاس سیدھی کھڑی ہوئی ٹارچ بجھا دی۔ بھُوت اُسی وقت اُڑن چھُو ہو گیا۔

"اچھاتو یہ بھُوت قادر کی ٹارچ میں بند تھا۔" نسیم نے کہا۔ وہ اس مارچ کے پاس پڑا ہوا پیکٹ پہچان گیا تھا۔

خالہ جان کھسیانی ہنسی ہنسے جارہی تھیں۔ "ارے میں سمجھی کہ بھانجا اپنی خالہ کے لیے کوئٹے سے کوئی تحفہ لایا ہے۔ میں اسے جلا کے دیکھنے لگی۔"

"یہ ٹارچ اسی لیے تو یہاں رکھی گئی تھی۔" عنبر نے خالہ جان کو شرارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"توبہ ہے!" خالہ جان ہنستے ہوئے بولیں۔ "میرا تو کلیجا ہی دہل گیا۔ یہ ہے کیا بلا؟"

”یہ ایک چھوٹا سا پروجیکٹر (سینما کی مشین) ہے جو ایک سیل سے چلتا ہے۔“عنبر نے کہا۔”اس میں چند فٹ لمبی فلم ڈالی گئی ہے جس میں بھُوت جیسی ایک شکل کو چلتے دکھایا گیا ہے۔“

”اُفّوہ!“ عاقِب نے کہا۔”تو یہی وہ ٹارچ تھی جو قادر لوگوں کو بھوت دکھانے کے لیے استعمال کرتا تھا۔“

”ہاں، یہ تھا سبز بھُوت کا راز۔“عنبر مسکرا رہا تھا۔

خالہ جان ابھی تک کھسیانی ہنسی ہنسے جا رہی تھیں۔

ختم شد